دیباچہ

یہ ایک دلکش اور پُراز معلومات کتاب ہے، جس سے بڑے اور چھوٹے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔ ہر صفحے پر دیدہ زیب تصاویر ہیں جن سے کتاب زیادہ تابناک بن گئی ہے۔ ابتدائے تہذیب سے دَورِ حاضر تک کی سو عظیم شخصیات کے سوانحی مرقعے ان صفحات کی زینت ہیں، جن میں اُن کے عظیم الشان کارہائے خدمتِ بنی نوعِ انسان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں اعلائے کلمۂ حق کے کام کے علاوہ علمی خدمات کا بھی ذکر ہے۔ انکشاف واکتشاف، ایجاد واختراع، شجاعت وتہوّر، ایثار وخدمت کی بیسیوں زندۂ جاوید مثالیں آپ کی رہنمائی اور سبق آموزی کے لیے ان صفحات میں ملیں گی۔

رہنماؤں میں انبیائے کرام سے لے کر عظیم سیاسی رہبروں تک اور فاتحین میں سکندر سے لے کر آئزن ہاور تک بہت سے عظماء کے حالات یکجا کر دیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ادیبوں، فن کاروں اور شاعروں کے حالاتِ زندگی بھی شامل ہیں اور یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر شخص کی عظمت کا کیا راز ہے، کوئی ہستی لاکھوں ہستیوں میں کیوں امتیاز رکھتی ہے اور کسی خاتون کو اس کی موت کے سو سال بعد بھی کیوں عزت واحترام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے رکھی گئی ہے اور ہر حرف کے تحت جو اسماء آتے ہیں اُن کو تاریخی اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے ماسوائے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے، جن کا تذکرہ سب سے مقدم رکھا گیا ہے۔ یہ نہ صرف اس عقیدت کی بنا پر ہے جو مسلمانانِ عالم کو حضورؐ کی ذاتِ مبارک سے ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ تاریخ کے اوراق انسانیت کا ایسا کوئی کامل واکمل نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

"سو بڑے آدمی" محض دلکش مطالعے ہی کے لیے مواد فراہم نہیں کرتی بلکہ یہ ایک بیش بہا کتابِ حوالہ بھی ہے جو اچھے سے اچھے کتب خانے کے لیے بھی باعثِ زینت ہوگی۔

مترجم

فہرس

دُنیا کا سب سے بڑا ہادی
اور خُدا کا آخری پیغمبر

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
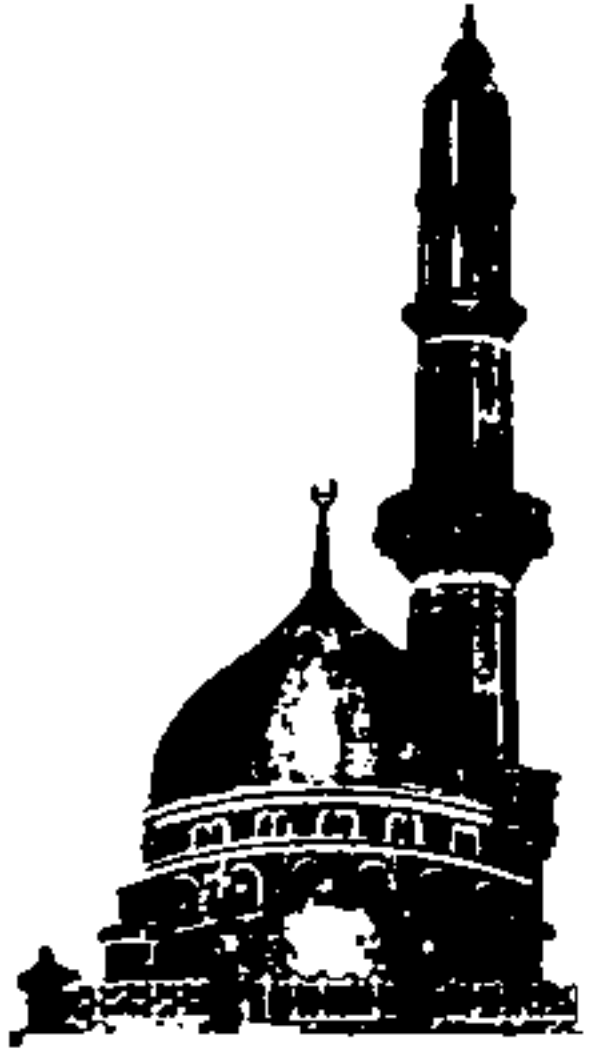
حضرت محمد مصطفیٰؐ نے دُنیا کے گُمراہ انسانوں کو سیدھی راہ دِکھائی۔ انسانی عقل کو اوہام کی زنجیروں سے آزاد کرایا، بنی نوعِ بشر کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلائی اور انسانوں کے درمیان کامل مساوات قائم کی۔

عرب میں قریش کے قبیلے کی سرداری مسلّم تھی۔ اِس قبیلے کا سب سے زیادہ باعزت خاندان ہاشمیوں کا تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ عبدُالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ سب سے چھوٹے عبدُاللہؓ تھے۔ اُن کی شادی حضرت آمنہؓ سے ہُوئی۔ چند ماہ بعد عبداللہؓ کا انتقال ہو گیا۔ آمنہؓ بیوہ ہوگئیں۔ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیر کے دن اُن کے ہاں ایک بچّہ پیدا ہُوا، جس کا نام محمدؐ رکھا گیا۔

باپ کا انتقال پیدائش سے پہلے ہو گیا تھا۔ چھ برس کے ہُوئے تو والدہ بھی دُنیا سے رُخصت ہوگئیں۔ ایک برس بعد دادا بھی فوت ہو گئے اور چچا ابوطالب نے پرورش اپنے ذمّے لی۔ اِس یتیمی اور کس مپرسی میں پرورش پانے والا بچّہ آگے چل کر ساری دُنیا کا ہادیِ اعظم ثابت ہُوا۔ حضوؐر بچپن ہی سے صابر و شاکر، نیک دل، پاکیزہ اخلاق، صادق اور امین تھے۔

آپ کو بُت پرستی سے نفرت تھی۔ مکّہ کے قریب غارِ حرا میں جا کر خُدائے واحد کی عبادت کرتے۔ چالیس برس کے ہُوئے تو خُدا نے آپ کو نبوّت سے سرفراز کیا۔ آپؐ نے اُسی دن سے تبلیغ شروع کر دی۔ قریش نے سخت مُخالفت کی بڑی بڑی تکلیفیں دیں جن سعید فطرت لوگوں نے آپ کی اطاعت کی اُن کو بھی بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

تکلیفوں کا دَور بہت لمبا ہو گیا۔ لیکن حضوؐر خدا کا پیغام پہنچانے میں مصروف رہے۔ آخر مدینہ کو ہجرت اختیار کی۔ پھر مکّے والوں سے کئی لڑائیاں ہُوئیں۔ بدر، اُحد وغیرہ میں مُسلمانوں کو جنگ آزما ہونا پڑا۔ پھر حضوؐر نے دس ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر کُشت و خُون کے بغیر مکّہ پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے موقع پر حضوؐر نے اہلِ مکّہ کے تمام مظالم فراموش کر دیے اور اُن کو عفوِ عام کے سائے تلے پناہ دے دی، جس سے مُتاثر ہو کر وُہ جُوق در جُوق اسلام قبول کرنے لگے۔

ہجرت کے دسویں سال رسُولِ پاکؐ نے آخری حج کیا اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، وُہ اسلام کی تعلیم کا مغز اور خُلاصہ ہے۔ آپ نے عام مساواتِ انسانی کی تلقین فرمائی۔ صرف اچھے ذاتی اعمال کو آدمی کی بڑائی کا معیار قرار دیا۔ عورتوں اور غلاموں کے حقوق مردوں اور آزادوں کے برابر قرار دیے۔ خُدا پرستی، عبادت، صوم و صلوٰۃ کی نصیحت کی اور ایسے انداز سے یہ بات واضح طور پر بتائی کہ بعض لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ وصیت ہے اور اب حضوؐر کے دُنیا سے رُخصت ہونے کا وقت قریب ہے۔

حج سے کوئی دو مہینے بعد آپ بیمار ہُوئے۔ تیرہ دن بُخار میں مُبتلا رہے اور ۲۷ مئی ۶۳۲ء کو تقریباً تریسٹھ برس کی عُمر میں اپنا عظیم الشان کام مکمل کر کے اپنے پروردگار کے حضوؐر میں حاضر ہو گئے۔

یہ اس عظیم الشان انسان کے حالات ہیں جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مُسلمانوں کے لیے قابلِ تقلید ہے اور جس کی ہدایت سے بہرہ مند ہو کر مُسلمانوں نے دُنیا میں بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں علوم و فنون کی خدمت کی، تہذیب و تمدن کے جھنڈے گاڑے اور ساری دُنیا کی قوموں کے لیے برکات کا مُوجب بنے

بہت بڑا سائنسی مفکّر
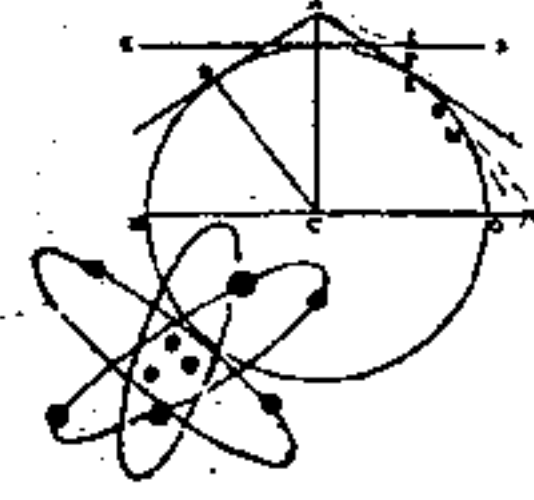
آئن شٹائن

بلاشُبہ آئن شٹائن جتنا بڑا سائنسی مُفکّر بنی نوعِ انسان کی پُوری تاریخ میں پیدا نہیں ہُوا۔ اُس نے طبعی کائنات کو سمجھنے میں انسان کی اِتنی بڑی رہنمائی کی ہے کہ دُنیائے جدید میں اُس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔

آئن شٹائن ۱۴ مارچ ۱۸۷۹ء کو جنوب مغربی جرمنی کے مقام "اولم" میں پیدا ہُوا۔ زیورخ کی یُونیورسٹی میں تعلیم پائی اور میونخ اور شیفاسن کے اسکولوں میں پڑھاتا رہا۔ اِس کے بعد وُہ سوئٹزرلینڈ کا شہری بن گیا۔

امریکی سائنس داں البرٹ مائیکلسن مادہ اور ایتھر کی اضافی حرکت کے متعلق تجربے کر رہا تھا۔ اِن تجربات سے متاثر ہوکر آئن شٹائن نے ۱۹۰۵ء میں اپنے خاص نظریہ "اِضافیت" پر ایک مقالہ لکھا۔ یہ نظریہ بعد میں بے حد مشہور ہُوا۔ اگرچہ عام طور پر لوگوں نے اُس کو سمجھا نہیں لیکن آئن شٹائن کی ناموری کا باعث یہی نظریہ ہُوا۔ اُس نے کہا کہ دیکھنے والے کی حرکت خواہ کچھ بھی ہو، روشنی تمام اطراف میں مساوی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ کوئی واحد نقطہ حرکت کا صِفر نہیں قرار پاسکتا، کیونکہ حرکت دیکھنے والے پر منحصر ہے۔ علاوہ بریں زماں بھی اضافی ہے اور اُس کا انحصار بھی دیکھنے والے ہی پر ہے۔

آئن شٹائن کے نظریے کو عام طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ اس کو زیورخ اور پراگ میں پروفیسریاں دی گئیں اور کچھ مُدت بعد ۱۹۱۳ء میں برلن یُونیورسٹی میں پروفیسر مُقرر کر دیا گیا، جہاں اُس کو معقول تنخواہ ملتی تھی اور اُسے اجازت تھی کہ اپنی توجّہ کامل طور پر علمی تحقیق کی طرف مبذول رکھے۔ ۱۹۱۹ء میں اُس نے کششِ ثقل کے دائرے پر اپنے نظریے کا اِطلاق کیا اور بعض فلکیاتی نتائج اخذ کیے جو آئزک نیوٹن کی نسبت زیادہ صحیح تھے۔ چنانچہ اُس کے بعد وُہ دُنیا بھر میں مشہور و معرُوف ہوگیا۔ آئن شٹائن نے طبیعیات میں اور بھی بہت سی اہم دریافتیں کیں۔ ۱۹۲۱ء میں اُس کو طبیعیات کا نوبل پرائز دیا گیا۔
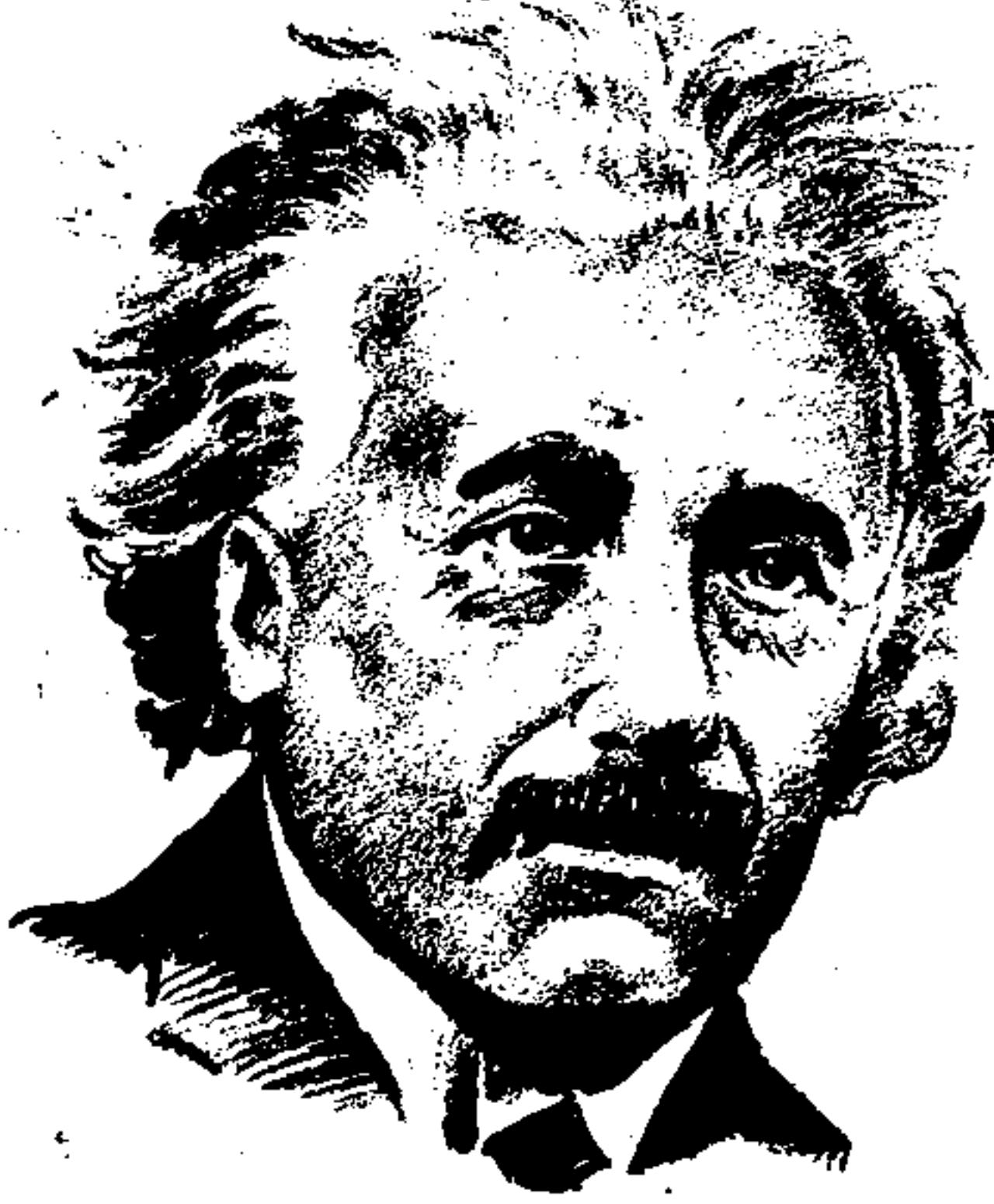
۱۹۳۳ء میں جب جرمنی پر ہٹلر کی حکومت ہوئی تو آئن شٹائن کو ترکِ وطن کرنا پڑا، کیونکہ وُہ یہودی تھا۔ جرمنی سے نکل کر آئن شٹائن امریکہ کا شہری بن گیا اور پرنسٹن یُونیورسٹی میں اُونچے درجے کی ریاضیات کی تعلیم دیتا رہا۔ بعض سیاسی مُعاملات میں بھی سرگرمی سے حصّہ لیتا رہا۔ آئن شٹائن نے پریزیڈنٹ روزویلٹ کو ایک چِٹھی لکھی تھی۔ اِس چِٹھی سے متاثر ہوکر امریکہ میں جوہری توانائی کی تحقیقات کا کام شرُوع کیا گیا۔ اپریل ۱۹۵۵ء میں وفات پائی۔

مغرب کا کمانڈرِ اعلیٰ
اور صدرِ امریکہ

ڈوائٹ ڈی آئزن ہاور

یُوں تو بہت سے بڑے بڑے فوجی افسر تھے جنھوں نے لشکر و رہبر و بتو پر فتح حاصل کرنے میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے لیکن آئزن ہاور میں بعض خصوصیتیں تھیں۔ وُہ اپنی فوجی قابلیت کی وجہ سے سپاہیوں سے لے کر افسروں تک کی آنکھ کا تارا تھے اور ان سیاسی مدبّرین کی نظروں میں بھی بڑی عزّت و وقعت رکھتے تھے جو اُن فوجوں کے نظم و نسق کے سب سے بڑے ذمّہ دار تھے۔ اتحادی فوجوں کے کمانڈر اعلیٰ کی حیثیت سے اُن کو جو کامیابی حاصل ہُوئی اُس میں ان کی سیاست دانی کو بھی بڑا دخل تھا۔

آئزن ہاور ٹیکساس کے رہنے والے ہیں۔ ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۰ء کو "ڈینی زن" میں پیدا ہُوئے۔ ان کا کُنبہ ٹیکساس کی ریاست سے کنساس چلا گیا تھا۔ چُنانچہ وہیں "ابی لین" کے مدرسے میں پڑھتے رہے اور ۱۹۱۱ء میں دونوں فوجی سکُولوں کے مُقابلے کے امتحان میں اوّل آئے اور "ویسٹ پوائنٹ" کے فوجی کالج میں داخل ہو گئے ۱۹۱۵ء میں اعلیٰ فوجی تعلیم پُوری کی۔ پہلی جنگِ عظیم میں تو انھیں سمندر پار خدمت کرنے کا مَوقع نہ ملا لیکن انتظام اور تربیت کے کام میں بڑا نام پیدا کیا۔ ۱۹۲۰ء میں وُہ یورپ کی امریکن "بیٹل مانومنٹ کمیشن" کے ممبر رہے اور اس کے بعد جب امریکہ کا فوجی مشن فلپائن گیا تو یہ ڈگلس میک آرتھر کے ایڈی کانگ اور چھوٹے افسر کی حیثیت سے نہایت ہر دلعزیز تھے۔

امریکہ نے ۱۹۴۱ء میں لوسیانا کے مقام پر جو وسیع جنگی مشقیں کیں اُن میں آئزن ہاور پریذیڈنٹ روزویلٹ کی نظروں میں چڑھ گئے۔ اُنھوں نے جنگی مشقوں کی منصوبہ بندی اور عمل کا کام ایسی خوبی سے انجام دیا کہ ۱۹۴۲ء میں محکمۂ جنگ کے جنگی منصوبوں کے ڈویژن کے افسرِ اعلیٰ مقرّر کر دیے گئے اور بعد میں یورپ کی اتحادی فوجوں کے کمانڈر بنا دیے گئے اور یہاں آئزن ہاور کو بڑے بڑے سیاسی اور فوجی مسائل کا سامنا کرنا پڑا جنھیں اُنھوں نے بڑی قابلیت سے نبایا۔ ہٹلر کی آخری شکست زیادہ تر آئزن ہاور ہی کی تدبیر سے ہُوئی۔

جنگ کے بعد آئزن ہاور فوج سے سبکدوش ہو کر کولمبیا یُونیورسٹی کے صدر بن گئے۔ پھر ۱۹۵۰ء میں جب سرد جنگ کے آثار نظر آنے لگے تو یورپ میں "نیٹو" کے سب سے بڑے اتحادی کمانڈر بن گئے۔ ۱۹۵۲ء میں امریکہ کے عوام کے اصرار پر آئزن ہاور کو سیاسیات میں آنا پڑا۔ چنانچہ ری پبلکن پارٹی کی طرف سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی صدارت کے لیے نامزد ہُوئے۔ بڑے زور کا انتخاب ہُوا اور آخر امریکہ کے صدر بن گئے۔ اُنھوں نے اس انتخاب میں اتنے ووٹ حاصل کیے کہ اس سے پہلے کسی صدر کو نہ ملے تھے۔ چار سال بعد وُہ دوبارہ صدر منتخب ہُوئے۔ اُن کی صدارت جنوری ۱۹۶۱ء میں ختم ہُوئی۔

ابُوالانبیاء

حضرت ابراہیم علیہ السّلام
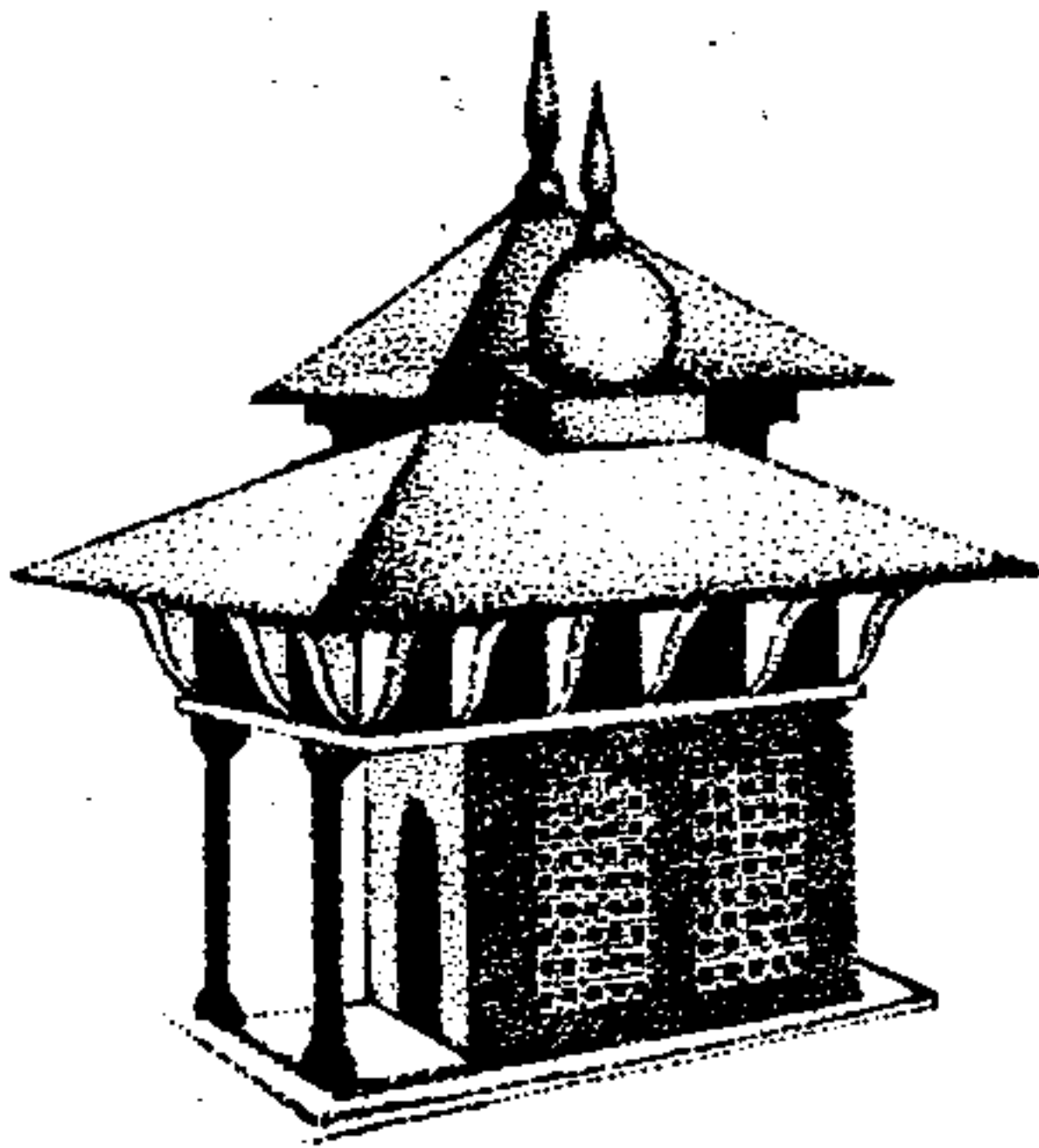
نصف سے زیادہ انسانی آبادی تین بڑے بڑے مذاہب کی پیروکار ہے: اسلام، عیسائیت اور یہودیت۔ ان تینوں مذہبوں کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام خُدا کے برگزیدہ نبی تھے۔ اُن کی اولاد میں کئی نبی ہُوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آج سے کوئی چار ہزار برس پیشتر دریائے فرات (عراق) کے کنارے شہر اُر میں پیدا ہُوئے۔ ذرا سیانے ہُوئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ ان کی قوم ایک خُدا کی عبادت کرنے کی بجائے چاند، سُورج، ستاروں اور بُتوں کی پُوجا کر رہی ہے یہ دیکھ کر اُنھیں بڑا رنج ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت عطا کی اور اُنھوں نے بُتوں کی پُوجا کے خلاف تبلیغ شروع کر دی۔ جب لوگ راہ پر نہ آئے تو اُنھوں نے بُتوں کو توڑ دیا۔ اس پر بادشاہ نے حُکم دیا کہ ابراہیم کو آگ میں ڈال دو۔ جب وُہ آگ میں ڈالے گئے تو اللہ کے حُکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

اپنی قوم سے مایُوس ہو کر حضرت ابراہیمؑ عراق سے شام اور شام سے مصر چلے گئے۔ مصر کے بادشاہ نے اپنی بیٹی ہاجرہ سے ان کا نکاح کر دیا جن سے حضرت اسماعیل پیدا ہُوئے جن کی اولاد میں پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہُوئے ہیں۔ دُوسری بیوی حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہُوئے۔

حضرت اسماعیلؑ ابھی کمسن ہی تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اُن کو اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کو عرب کی ایک بنجر اور ویران وادی میں چھوڑ آئے۔ اسی جگہ مکّہ کا مشہور شہر آباد ہو گیا۔ خُدا کی قدرت سے وہاں پانی کا ایک چشمہ بھی نکل آیا جس کو "زمزم" کہتے ہیں۔ حاجی لوگ اس چشمے کا پانی تبرک کے طور پر لاتے ہیں۔

حضرت اسماعیلؑ ذرا بڑے ہُوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وُہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ آپ نے بیٹے کو اپنا خواب سُنایا۔ حضرت اسماعیلؑ نے کہا:

"آپ شوق سے مجھے خُدا کی راہ میں قُربان کر دیجیے۔ انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔" حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے گلے پر چُھری رکھ دی۔ اس وقت آواز آئی: "اے ابراہیمؑ اتم امتحان میں کامیاب ہُوئے۔ اپنا ہاتھ روک لو۔" چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے اس فضل پر ایک مینڈھا ذبح کیا۔ اس پاک قربانی کی یاد میں مُسلمان اب تک عید قُربان کے موقعے پر قربانیاں دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خُدا کے حُکم سے مکّہ میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کی۔ یہ پہلا گھر تھا، جو خدائے واحد کی پرستش کے لیے دُنیا میں بنایا گیا۔

تمام دُنیا کے مُسلمان اسی خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور ہر سال لاکھوں مُسلمان سُنّتِ ابراہیمی کی تقلید میں حج کرنے کے لیے مکّۂ معظمہ جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے بہت بڑی عمر پائی۔ اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اُن کے فرزند تھے۔ یہ دونوں بھی نبی ہُوئے۔ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے یعقوبؑ تھے۔ اُن کا دُوسرا نام اسرائیل تھا۔ اسی وجہ سے اُن کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یُوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور بے شمار دُوسرے انبیاء سب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں اور اسی لیے اُنھیں ابُوالانبیاء یعنی "نبیوں کا باپ" کہا جاتا ہے۔

جس کے مکالمات نے سقراط کو زندہ کر دیا

افلاطون

اگرچہ عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ افلاطون دُنیا کا سب سے بڑا فلسفی تھا، لیکن اس نے جو مکالمات لکھے ہیں اُن میں وُہ دُوسروں کے اقوال نقل کرتا ہے، اس لیے مدّت سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ اُس کے فلسفے میں کتنا حصّہ اُس کا اپنا ہے اور کتنا سُقراط یا دُوسرے حکیموں کا ہے، جن کا وُہ اکثر ذکر کرتا ہے۔

اُس کا پہلا نام "ارستو قلیس" تھا۔ بعد میں افلاطون ہُوا۔ یہ غالباً ایتھنز میں ۴۲۷ قبل مسیح کے لگ بھگ پیدا ہُوا۔ اور اچھے خاندان کے لڑکوں کی طرح ادبیات، موسیقی اور ریاضیات کی تعلیم حاصل کی۔ وُہ شعر بھی کہتا تھا اور پہلوان اور کسرتی بھی بہت اچھا تھا۔ بیس سال کی عُمر میں وُہ سقراط کا شاگرد ہُوا اور آٹھ سال تک اُس سے علم حاصل کرتا رہا، لیکن معلُوم ہوتا ہے کہ سقراط سے اُس کے وُہ گہرے تعلقات نہ تھے، جو دُوسرے شاگردوں کے تھے۔ مثلاً سقراط نے خودکشی سے پہلے دوستوں سے جو گفتگو کی اُس میں افلاطون موجُود نہ تھا۔

اُستاد کے مرنے کے بعد افلاطون نے سائیرین، مصر، اٹلی اور سسلی کے سفر کیے اور میگارا کے مقام پر حکیم اقلیدس کی شاگردی بھی اختیار کی۔ ۳۸۸ قبل مسیح کے قریب وُہ گرفتار ہو گیا اور غلام بنا کر بیچ ڈالا گیا، لیکن بعد میں دوستوں نے زرِ فدیہ ادا کر کے اُس کو چھڑا لیا۔ آخر وُہ ایتھنز پہنچا اور اُس نے اپنی مشہور اکادمی قائم کی، جس کو وُہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا تھا۔ یہاں چالیس برس تک اُس نے تعلیم دی اور طریقِ تعلیم وہی بحث اور مکالمے کا اختیار کیا جو اُس نے سقراط سے سیکھا تھا۔

یہ اکادمی پہلی یُونیورسٹی تھی جو آٹھ سال تک قائم رہی۔ اُس نے بڑے بڑے آدمی پیدا کیے، جن میں سب سے زیادہ مشہور ارسطو تھا۔ افلاطون کے شاگرد ریاضیات کے خاص ماہر تھے، لیکن دُوسرے عُلوم و فنُون سے بھی وہ بالکل ناواقف نہ تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ افلاطون سیاسی نظریے کا تو بڑا ماہر تھا، لیکن سیاسی معاملات میں اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں بہت ہی کم حصّہ لیتا تھا۔ بڑھاپے میں اسے سارا کیوز کے بادشاہ کا اتالیق بننے کا اتفاق ہُوا، لیکن مُلک داری میں یہ ایک بار شریک ہو کر بھی کچھ کامیاب نہیں رہا۔

افلاطون کے مکالمات میں سب سے زیادہ مشہور "جمہوریت" ہے، جس میں اُس نے بتایا ہے کہ اُس کے نزدیک بہترین حکومت کا نظام کیا ہونا چاہیے۔ دُوسرے مکالمات میں اس فلسفے پر زور دیا گیا ہے کہ "افکار" و "اعیان" حقیقی وُجود رکھتے ہیں۔ افلاطون کی تصنیفات کا اثر ارسطو سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ ۳۴۷ قبل مسیح میں ایک دن وُہ ایتھنز میں کسی شادی کی ضیافت میں شامل ہُوا اور وہیں فوت ہو گیا۔ اُس وقت اُس کی عُمر اسّی سال تھی۔

جدید سائنس کا باوا آدم

ارسطو

یورپ کی تہذیب اور علمی زندگی پر جتنا اثر ارسطو نے ڈالا ہے اتنا کسی دوسرے انسان نے نہیں ڈالا۔ عہدِ قدیم اور ازمنۂ متوسطہ کے اوائل میں اس کا اُستاد افلاطون دُنیا کا بہت بڑا فلسفی اور معلم تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن بارھویں صدی عیسوی کے بعد فکر کے ہر دائرے میں ارسطو آخری سند تسلیم کر لیا گیا۔

ارسطو مقدونیہ کے بادشاہ امنتاس کے ایک درباری طبیب کے ہاں ۳۸۴ قبل مسیح میں پیدا ہُوا۔ باپ کو تشریح اعضا اور علمِ حیوانات سے بے حد شغف تھا بیٹے نے بھی ابتدا سے انھی علوم میں دل چسپی لی۔ بڑے بڑے فلسفیوں کی طرح وہ اپنی علمی تحقیقات میں بہت زیادہ باریک بین اور محقق تھا۔ ارسطو اگرچہ شاہ امنتاس کے پوتے اسکندرِ اعظم کا اتالیق مقرر ہو گیا تھا لیکن حکیم اور عالم ہونے کی حیثیت سے وہ ہمیشہ ہی نامور رہا۔

سترہ سال کی عمر میں ارسطو افلاطون کا شاگرد ہُوا اور بیس برس تک یعنی افلاطون کے انتقال تک فیضیاب ہوتا رہا۔ اس کے بعد بارہ سال وہ یونان میں گھومتا پھرتا اور تعلیم دیتا رہا جب اسکندر مقدونیہ کا بادشاہ ہُوا، تو ارسطو ایتھنز واپس آ گیا اور یہاں اس نے فلسفہ کا وہ مدرسہ قائم کیا جسے مشائیوں کا مدرسہ کہتے ہیں۔ مشائی "مشی" سے نِکلا ہے جس کا مطلب ہے "ٹہلنا" چونکہ اس مدرسے میں اُستاد اور شاگرد ایک طویل راستے پر ٹہلتے ہُوئے تعلیم دیتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے، اس لیے اس کو "مکتبِ مشائین" کہتے تھے۔

اگرچہ ارسطو نے ایک مثالیت پسند اُستاد یعنی افلاطون سے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن وہ خود حقیقت پسند فلسفی تھا۔ اس نے حیاتیات اور نفسیات کے متعلق ایسی بنیادی معلومات مہیا کیں جو دو ہزار سال کے سائنسی امتحان کے بعد بھی صحیح ثابت ہُوئیں۔ حکومت و ریاست کے متعلق ارسطو کا شغف اِس قدر زیادہ تھا کہ اس نے ریاستوں اور شہروں کے آئین پر کم سے کم ۱۵۸ رسالے لکھے۔ افسوس کہ یہ رسالے گزشتہ صدیوں میں کہیں ضائع ہو گئے۔ صرف "دستورِ ایتھنز" کا رسالہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ گیا۔ ارسطو کی نہایت اہم کتابوں میں ایک کتاب "آرگینان" ہے۔ جس میں علمِ منطق کے متعلق چھ مقالات ہیں ــــ

دُوسری کتابیں "مابعد الطّبیعیات"، "تاریخ حیوانات"، "اعضائے حیوانات"، "طبیعیات"، "فلکیات" اور "سیاسیات" ہیں۔

ارسطو کا انتقال ۳۲۲ قبل مسیح میں ہُوا۔

خلیفۂ اوّل

حضرت ابُوبکر صدّیقؓ

درویشانہ زندگی میں بادشاہی کرنے والا، پیوند لگے کپڑے پہننے والا، اللہ کے رسُول کا پہلا جانشین اور جمہوریت کا سچا علم بردار۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہمارے رسُول پاک سے صرف دو سال چھوٹے تھے۔ بچپن ہی سے ان دونوں میں دوستی تھی۔ دونوں تجارت میں اکٹھے رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر اسلام سے پہلے بھی سچے اور ایماندار تاجر مشہور تھے۔ اور ان کا کاروبار خاصا وسیع تھا۔

جب ہمارے رسُول پاک کو نبوت عطا ہوئی تو نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام کو قبول کرنے والے حضرت ابُوبکر ہی تھے۔ مکہ میں غریب پروری اور انسانی ہمدردی کے لیے بے حد مشہور تھے۔ اور اکثر غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب کافروں نے خدا کے نبی اور اُس کے دوستوں کو دُکھ دینا شروع کیا تو رسُول پاک ابوبکر کو ساتھ لے کر مدینے کی طرف چلے۔ راستے میں کفار کی طرف سے خطرہ تھا۔ چنانچہ ثور پہاڑ کے ایک غار میں چھپ گئے۔ جب مدینہ پہنچے تو مسجد کے لیے زمین ابُوبکر ہی نے خرید کر رسُول اللہ کی خدمت میں پیش کی۔

اس کے بعد قریش مکہ سے لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ بدر، اُحد اور خندق سب لڑائیوں میں ابُوبکر شامل رہے۔ فتح مکہ کے وقت بھی موجود تھے۔ بار ہا اپنے گھر کا سارا مال لا کر جہاد کے چندے میں دے دیا جب نبی کریم آخری حج کے بعد بیمار ہوئے اور نماز کے لیے مسجد جانا بھی مشکل ہو گیا تو آپ نے اپنی جگہ حضرت ابُوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضوُر کے وصال کے بعد مُسلمانوں نے ابُوبکر کو اپنا خلیفہ اور امیر چُنا۔ آپ نے اپنے خطبوں میں صاف صاف کہا کہ "میں تمھارا ادنا خادم مقرر کیا گیا ہُوں۔ اگر میں اللہ اور رسُول کے حکم پر چلوں تو میری اطاعت کرو۔ اگر نہ چلوں تو میرا حکم ہرگز نہ مانو۔"

حضرت ابوبکر کے خلیفہ بنتے ہی بہت سے فتنے پیدا ہو گئے۔ بعض جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوئے اور بعض جاہل لوگ ان کے حامی بن گئے۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا لیکن حضرت ابُوبکر نے نہایت مردانگی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور تھوڑی ہی مدت میں ان سب کو کچل کے رکھ دیا۔ ایرانیوں اور رُومیوں سے لڑائیاں ہوئیں لیکن ان کے فیصلے حضرت ابُوبکر کے انتقال کے بعد ہوئے تاہم عراق اور شام پر مُسلمانوں کا قبضہ حضرت ابُوبکر ہی کے عہد میں ہو گیا تھا۔

صرف سوا دو برس خلافت کی اور حکمران ہونے کے باوجود نہایت فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ مُسلمانوں کے خزانے پر اُن کے مصارف کا کوئی بوجھ نہ تھا۔ صرف چند درہم روزانہ لیتے تھے۔ مرتے وقت وصیت فرمائی کہ میرے بعد حضرت عمر کو اپنا امیر بنا لینا۔

حضرت ابُوبکر صدیق حجرہ عائشہؓ میں آنحضرت کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

☆

ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت کا مؤرّخ
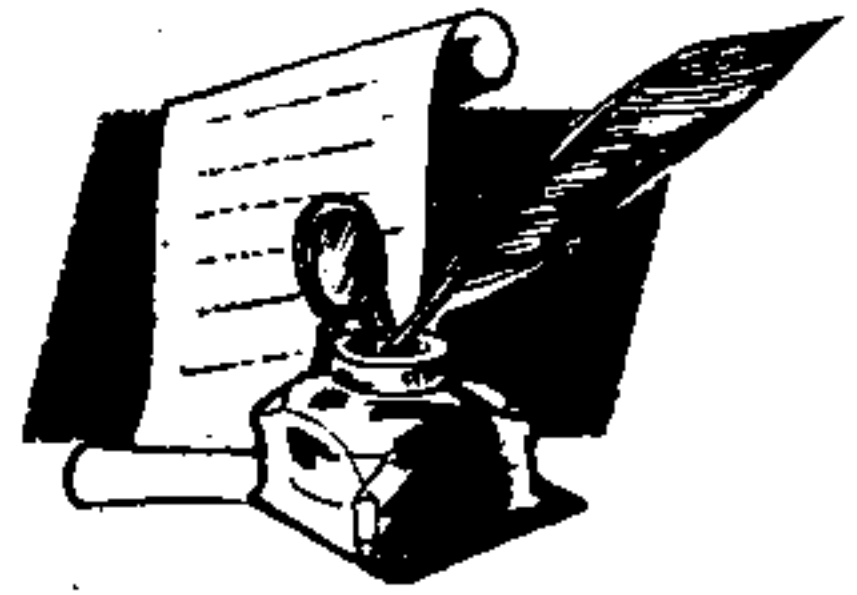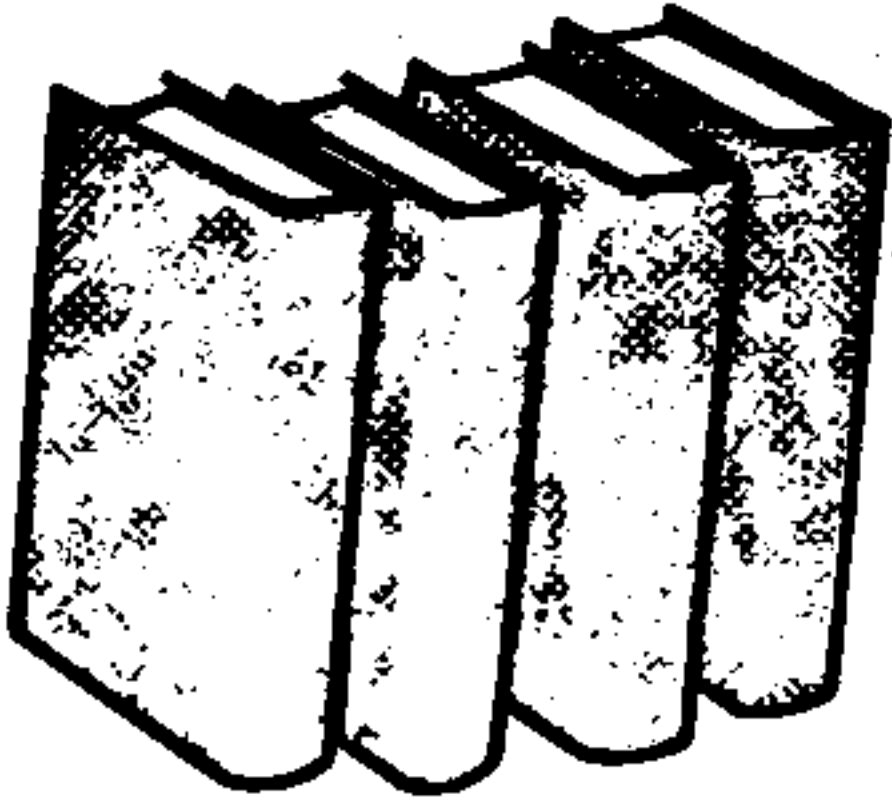
البیرُونی

البیرُونی بھی بُوعلی سینا کی طرح بڑا عالم و فاضل تھا۔ اُس نے ہندوستان میں آکر ہندوؤں کے علوم و فنون بھی سیکھے اور اُس کے بعد اُن کے صحیح اور مفصل حالات سے دُنیا کو رُوشناس کیا۔

خوارزم (خیوا) کے پاس ایک قصبہ بیرُون ہے۔ ۹۷۳ء میں یہاں البیرُونی پیدا ہُوا۔ ماں باپ غریب تھے، لیکن البیرُونی بچپن ہی سے نہایت ذہین و طبّاع تھا اور پڑھنے لکھنے میں دُوسرے طالب علموں سے ہمیشہ آگے رہتا تھا۔ اُس کے دو اُستادوں نے اُس کو فلکیات اور ریاضیات کی تعلیم دی، جن سے البیرُونی کو خاص شغف تھا۔ اُس کی شہرت سُن کر سلطان محمود نے اُسے غزنیں بُلوایا اور یہاں سے وُہ پنجاب و کشمیر بھی گیا۔ اُس نے سنسکرت سیکھی اور یہاں کے ہندوانہ عُلوم میں مہارت پیدا کی۔ یہاں تک کہ اِس مُلک کے پنڈت اُس کو "وِدیا ساگر" یعنی علم کا سمندر کہنے لگے۔ بڑے بڑے پنڈت اُس کی شاگردی کر کے ریاضیات و فلکیات کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

البیرُونی نے کوئی ایک سو کتابیں لکھی ہوں گی لیکن آجکل اُن میں سے بہُت ہی کم ملتی ہیں۔ اُس کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب علمِ ہیئت پر "القانُون المسعُودی" ہے۔ دُوسری کتاب "الہند" ہے، جس میں اُس نے ہندوستان کا جُغرافیہ لکھا، یہاں کے لوگوں کے رہنے سہنے کے حالات، اُن کے طور طریقوں، رسموں اور مذہبوں کی تفصیل بیان کی اور اُن کے علوم مثلاً ہیئت، ہندسہ اور فلسفہ کو اہلِ عالم کی معلُومات کے لیے دِلآویزی اور سلاست کے ساتھ قلمبند کیا۔ وُہ اپنی کتابوں میں لاہور، پشاوُر، مُلتان، سیالکوٹ اور جہلم کا ذکر کرتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کا زیادہ وقت پنجاب ہی میں گزرا۔

اُس زمانے میں محمُود غزنوی اور ہندوستانی راجاؤں کے درمیان کئی لڑائیاں ہُوئیں اور ہندوؤں کا دِل مُسلمانوں سے کھٹّا ہو گیا تھا لیکن البیرُونی دن رات پنڈتوں سے ملتا جُلتا اور وُہ سب اُس کا احترام کرتے۔

البیرُونی خوارزم کے بادشاہ مامون کے دربار میں بھی رہا، جہاں بُوعلی سینا بھی موجُود تھا۔ اور محمُود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعُود غزنوی کی نظر میں بھی البیرُونی کی بڑی وقعت تھی۔

البیرُونی کا انتقال ۴۴۱ھ = ۱۰۴۸ء میں ہُوا۔

دُنیا کا سب سے
بڑا مُسلمان سیّاح

ابُو عبدُاللہ مُحمّد ابنِ بطُوطہ

جب ریل گاڑی، موٹر کار، ہوائی جہاز کا نام و نشان نہ تھا، ابن بطُوطہ مغرب اقصٰی سے نکلا اور تقریباً ساری معلُوم دُنیا کی سیاحت کرنے کے بعد واپس وطن پہنچا۔ اس سفر میں تیس برس صَرف ہُوئے۔ اُس کا سفرنامہ نہایت حیرت انگیز معلُومات کا خزانہ ہے۔

ابن بطُوطہ ۷۰۳ ھ = ۱۳۰۴ء میں طنجہ کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہُوا۔ ابتدائی تعلیم طنجہ ہی میں حاصل کی اور اکیس سال کی عُمر میں دُنیا کی سیاحت کے لیے نکل کھڑا ہُوا۔ طنجہ سے بحیرۂ روم کے ساحل پر سفر کرتا ہُوا اسکندریہ پہنچا۔ قاہرہ میں کچھ مُدت بسر کرنے کے بعد فلسطین، حلب اور دمشق گیا۔ پھر ادائے حج کے لیے مکّہ اور مدینہ حاضر ہُوا۔ نجف، بصرہ، خوزستان، اصفہان، شیراز، کُوفہ، بغداد ہوتا ہُوا پھر حج کرنے کو گیا اور مکّہ میں تین سال مقیم رہا۔ اس سفر کے دَوران میں اُس نے حصُولِ علم کی انتہائی کوشش کی اور ہر مقام کے اکابر علما سے مستفیض ہُوا۔

مکّہ سے روانہ ہوکر یمن، عدن، بندرگاہ ہرمز گیا۔ بحرین میں غوطہ خوروں کو موتی نکالتے دیکھا۔ یمامہ میں تھا کہ ایک دفعہ پھر حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مکّہ گیا اور وہاں حج سے مُشرف ہُوا۔ اس کے بعد اناطولیہ کی طرف نکل گیا۔ قونیہ میں مولانا روم کے مزار پر حاضر ہُوا۔ دُوسرے شہروں میں گیا۔ وہاں کے سلاطین کے درباروں کو دیکھا۔ پھر بحیرۂ اسود کے کنارے پر سیاحت کی۔

ابن بطُوطہ اس سفر میں قسطنطنیہ بھی گیا جو ابھی تُرکوں کے قبضے میں نہیں آیا تھا۔ پھر سمرقند، بخارا، ترمذ، بلخ اور ہرات گیا۔ ہندوکُش کے پہاڑوں سے اُتر کر کابل اور وہاں سے پنجاب میں داخل ہُوا۔ یہاں کی سیر کر کے دِہلی پہنچا، جہاں سُلطان محمّد تغلق کی حکُومت تھی۔ جب سُلطان کو ابن بطُوطہ کے علم و فضل اور عزم و ثبات کے بارے میں معلُوم ہُوا تو اُس نے اسے قاضیٔ شہر کے عُہدے پر فائز کر دیا۔ ابن بطُوطہ دس برس ہندوستان میں رہا۔ ایک دفعہ سُلطان ناراض ہُوا تو ابن بطُوطہ کو گھر میں نظر بند کر دیا، مگر پھر بدگمانی دُور ہو گئی۔ رہائی کے بعد سُلطان نے دوبارہ مُلازمت دینی چاہی، لیکن ابن بطُوطہ نے انکار کر دیا۔ چنانچہ سلطان نے اُس کو سفیر بنا کر چین بھیج دیا۔ لیکن اُس کا جہاز راستے میں تباہ ہو گیا اور ابن بطُوطہ بچ بچا کر ہندوستان کے جنوب و مشرق کے جزائر کی سیاحت پر روانہ ہو گیا۔ ملیبار، کنٹری، مالدیپ کا چکّر بھی لگایا۔

اس سفر کے دَوران میں ابن بطُوطہ نے دُنیا بھر کے متعلق معلُومات فراہم کیں۔ شادیاں بھی کیں، بچّے بھی ہُوئے۔ بڑے بڑے بزُرگوں سے مُلاقات بھی کی۔ واپسی کے سفر میں پھر سماٹرا، ملیبار، عُمان، ایران، بغداد، حمص، حلب، یروشلم، قاہرہ ہوتا ہُوا مکّہ پہنچا اور چوتھی بار حج سے مُشرف ہُوا۔ مزید طُول طویل سفر کے بعد وطن پہنچا۔ ۳۰ سال کی مُدت میں اس نے پچھتّر ہزار میل کا سفر کیا۔ آخر بادشاہ کے حکم سے اُس نے محمّد ابن جزئی کو اپنا سفرنامہ لکھوایا اور ۱۳۰۸ = ۹۰۰ء میں ۷۳ سال کی عمر پا کر فوت ہو گیا۔

فلسفۂ تاریخ کا بانی

ابنِ خلدُون

یہ وُہ بلند پایہ عالم ہے، جس نے سب سے پہلے تاریخ کے فلسفے کی بُنیاد ڈالی، تجزوی واقعات سے نتائج کلیہ نکالے، قوموں کے عرُوج و زَوال کے اسباب پر بحث کی اَور آئندہ مُورّخین کو تاریخ کے صحیح استعمال کا طریقہ بتایا۔

ابنِ خلدون کا خاندان پہلے عرب سے آکر اُندلس میں آباد ہُوا، پھر وہاں سے تیونس میں آگیا اَور وہیں ۷۳۲ ھ میں ابنِ خلدُون پیدا ہُوا۔ اُس نے چھوٹی ہی عُمر میں قرآن، حدیث، فِقہ، فلسفہ، منطق، ادب اَور تاریخ میں کمال پیدا کرلیا۔ اُس کے علم و فضل کی بہت شہرت ہُوئی۔ تلمسان کے بادشاہ نے پہلے اُس کی بہت تعظیم کی اَور اُس کو اپنا کاتب مقرّر کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے ایسا ناراض ہُوا کہ اُس کو قید میں ڈال دیا۔ چار سال بعد بادشاہ فوت ہوگیا تو ۷۶۴ ھ میں ابنِ خلدُون وہاں سے رہا ہو کر غرناطہ پہنچا۔ سُلطان ابوعبداللہ نے اُس کا شاندار استقبال کیا۔ ابنِ خلدُون اپنی بقیہ عُمر غرناطہ ہی میں بسر کرنی چاہتا تھا، لیکن بعد میں ایسے واقعات پیش آئے کہ وُہ پھر تلمسان چلا گیا اَور اُسی کے ایک نواحی قلعے میں اُس نے اپنی تاریخ اور اُس کا "مقدمہ" لکھنا شروع کیا۔ یہ "مقدمہ" یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چُکا ہے اَور اہلِ علم اُس کو دُنیا کی چند بڑی بڑی کتابوں میں شمار کرتے ہیں۔

چار برس تیونس میں رہ کر ابنِ خلدُون اسکندریہ ہوتا ہُوا قاہرہ پہنچا اَور مشہُور اسلامی یُونیورسٹی جامعۂ ازہر میں عُلُوم اسلامی کی تعلیم و تدریس میں مصرُوف رہا۔ اُس کے علم کی شہرت نے اُس کو سُلطانِ مصر کے دربار میں پہنچا دیا۔ سُلطان نے ۷۸۶ ھ میں اُسے مالکیہ کا قاضی مقرّر کردیا۔ اُس کے عدل و انصاف اَور مہارتِ قانون کی وجہ سے بادشاہ اَور عُلَما سب اُس کے گرویدہ ہوگئے

اُسی زمانے میں اُس کے اہل و عیال تیونس سے جہاز میں مصر کو آرہے تھے، اَور ابنِ خلدون سالہا سال کے بعد اُن سے مُلاقات کے خیال سے بے حد خُوش تھا کہ سمندر میں طُوفان آگیا اَور وُہ جہاز غرق ہوگیا۔ ابنِ خلدون کو اِس حادثے سے جو صدمہ ہُوا ہوگا، وُہ ظاہر ہے۔ لیکن اُس نے ہمّت نہ ہاری اَور اپنے کاموں میں دِن رات محنت سے مصرُوف رہا۔

۷۸۹ ھ میں اُس نے حجاز جا کر حج کیا اَور واپس قاہرہ میں آکر اپنی عظیم الشّان تصنیف "تاریخ ابنِ خلدُون" مکمل کی اَور اُس کو اپنی فارس سُلطان عبدُالعزیز کی خدمت میں پیش کرکے گراں بہا انعامات و عطایا حاصل کیے۔ اندلس اَور تیونس کے لوگوں کو اس پر بے حد فخر تھا اَور وُہ چاہتے تھے کہ ابنِ خلدُون اپنے وطن میں آکر رہے، لیکن مصر کی خاک کچھ ایسی دامن گیر ہُوئی کہ آخر ۸۰۸ ھ میں وہیں انتقال کیا۔

انگلستان کی ایک مشہور ملکہ

الزبتھ اوّل

ملکہ الزبتھ ایک مغرور اور متلون مزاج عورت تھی لیکن اس کے باوجود وہ تاریخ کی ایک بہت بڑی ملکہ تھی اور حقیقت ہے کہ اس کے بعد انگلستان کو ایسی دلچسپ شخصیت کی ملکہ کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

الزبتھ شاہ ہنری ہشتم اور این بولین کی بیٹی تھی۔ ستمبر ۱۵۳۳ء کو گرینچ کے قصر شاہی میں پیدا ہوئی۔ اپنے باپ کے زمانے میں اور اپنے بھائی ایڈورڈ ششم کے عہد میں الزبتھ نہایت خاموشی سے زندگی بسر کرتی رہی اور احیائے علوم کی تحریک نے جس علم کا ذوق پیدا کر دیا تھا، اس کو حاصل کرنے میں لگی رہی۔ اس کے عقائد پروٹسٹنٹ تھے۔ یہ دیکھ کر اس کی سوتیلی بہن میری اس سے بدگمان ہو گئی۔ جو ایڈورڈ کی موت کے بعد انگلستان کی ملکہ بن گئی تھی۔ الزبتھ بظاہر تو کیتھولک مذہب کو مانتی تھی لیکن جب اس پر واٹ کے ساتھ بغاوت میں شریک ہونے کا شبہ کیا گیا (۱۵۵۴ء) تو میری نے اس کو ٹاور میں قید کر دیا۔

جب ۱۵۵۸ء میں الزبتھ تخت شاہی پر پہنچی تو اس نے روما سے قطع تعلق کر لیا اور حکم دیا کہ آئندہ مذہبی عبادات انگریزی زبان میں ادا کی جائیں۔ چنانچہ "کلیسائے انگلستان" قائم کر دیا گیا اور انگلستان باقاعدہ پروٹسٹنٹ بن گیا۔

الزبتھ نے پینتالیس سال حکومت کی لیکن شادی نہیں کی۔ البتہ بہت سے یورپی بادشاہوں کو شادی کے دھوکے میں رکھا اور اس طریقے سے اپنی تدبیر حکمت عملی میں فائدہ اٹھاتی رہی۔ ہسپانیہ کے فلپ کو بھی مدت دراز تک انتظار میں رکھا اور شادی کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا۔ چنانچہ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ ہسپانیہ نے انگلستان پر حملہ کر دیا۔ بڑی خیر گزری کہ ہاورڈ، ڈریک، فروبشر اور ہاکنز نے (۱۵۸۸ء) ہسپانوی آرمیڈا کو شکست دے دی اور آفت ٹل گئی۔

الزبتھ نے اس موقع پر پورا جہاد و پیکار میں حصہ لیا ورنہ وہ امن و امان ہی کو ترجیح دیتی تھی۔ اس کو زیادہ تر تجارت کی ترقی اور علوم و فنون کے پھیلانے سے دلچسپی تھی۔ شیکسپیئر اسی کے عہد میں ہوا اور امریکا کی آبادکاری بھی اسی کے زمانے میں ہوئی۔ یہ عہد ذہنی حرکت اور عمل کا تھا۔ سائنس میں بڑی بڑی دریافتیں ہو رہی تھیں۔ ادب و فن میں بڑے بڑے شاہکار پیدا کیے جا رہے تھے اور نئی دنیا کے انکشاف کی وجہ سے تجارت بہت وسیع ہو رہی تھی۔

یہ اپنے خاندان کی آخری ملکہ تھی۔ اس کا انتقال ۲۴ مارچ ۱۶۰۳ء کو ہوا۔

خاندانِ مغلیہ کا حقیقی بانی

جلال الدین محمد اکبر

شہنشاہ بابر نے برِّعظیم پاکستان و بھارت کو بزورِ شمشیر فتح کر کے سلطنت مغلیہ کی بنیاد ڈالی۔ لیکن حقیقی معنوں میں خاندانِ مغلیہ کی بنیادیں شہنشاہ اکبر نے ہی استوار کیں۔

اکبر کا باپ ہمایوں جب افغانوں کی یورش سے گھبرا کر ایران جا رہا تھا تو ۹۴۹ھ = ۱۵۴۲ء میں سندھ کے ایک مقام عمر کوٹ میں اکبر پیدا ہُوا۔ پندرہ سال کی جلاوطنی کے بعد ہمایوں دوبارہ تختِ دہلی پر قابض ہُوا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور جلد ہی سیڑھیوں سے گر کر مر گیا۔ اکبر تیرہ۱۳ برس کی عمر میں باپ کا جانشین ہُوا۔ بیرم خان نائب السلطنت قرار پایا۔ اُس وقت مُلک کی حالت بہت خراب تھی۔ کہیں افغان تخت پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے جد و جہد کر رہے تھے۔ کہیں ہیموں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور بعض دُوسرے لوگ بھی سرکشی کر رہے تھے۔ آخر چودہ۱۴ سال کی مسلسل کوشش کے بعد اکبر مالوہ، چتوڑ، رنتھنبور، کالنجر، گجرات اور بنگال کو فتح کرنے میں کامیاب ہُوا اور ۱۵۷۶ء تک سارا شمالی ہند اُس کے زیرِ نگین ہو گیا۔ ۱۵۸۶ء اور ۱۵۹۵ء میں کشمیر، سندھ، بلوچستان، قندھار اور اڑیسہ بھی مُغل قلمرو میں شامل ہو گئے۔ شمال سے فارغ ہو کر وُہ جنوب کی طرف متوجہ ہُوا اور دکن میں خاندیش، برار اور احمد نگر پر قابض ہو گیا۔ اُس کی سلطنت ہندوکش سے گوداوری اور بنگال سے گجرات تک پھیلی ہُوئی تھی۔

اکبر نے اپنی مرکزی اور صُوبائی حکومتوں کا انتظام نہایت باقاعدہ کیا۔ ہندوؤں، خاص کر راجپوتوں سے اُس کا سلوک نہایت رواداری کا تھا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدے ہندوؤں کو دیے گئے اور تمام فرقوں اور مذہبوں سے "صُلحِ کُل" کے اصُول پر برتاؤ کیا۔ ابتدا میں تو راسخ العقیدہ مسلمان تھا، لیکن بعد میں کچھ اپنی ناخواندگی کی وجہ سے اور کچھ سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر حقیقی دینِ اسلام سے دُور اور عُلمائے اِسلام سے بیزار ہو گیا اور "دینِ الٰہی" کے نام سے ایک نئے مذہب کی بُنیاد رکھی، لیکن چند امیروں وزیروں کے سوا اس دین کو کسی نے قبوُل نہ کیا۔

اگرچہ اکبر اَن پڑھ تھا، لیکن اُس کو عُلوم و فنُون کی امداد اور سرپرستی کا خاص شوق تھا۔ بڑے بڑے شعرا، مصوّر، موسیقار، معمار اور دُوسرے باکمال اُس کی بخشش و قدر دانی سے مالا مال ہوتے رہتے تھے اور اُس کا دربار دُور و نزدیک کے ماہرینِ فن کا مرکز بن گیا تھا۔ شہزادوں اور امیر زادوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجّہ کرتا تھا۔ بلاشبہ اکبر نہ صرف عظیم فتوحات بلکہ نظم و نسق کے معیار اور علم و فن کی سرپرستی کے لحاظ سے دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں میں سے تھا۔

جلالُ الدّین محمّد اکبر بادشاہ ۱۰۱۴ھ = ۱۶۰۵ء میں تریسٹھ سال کی عُمر پا کر فوت ہُوا۔

بلند پایہ انشا پرداز اور مؤرخ

ابوالفضل

جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار میں بڑے بڑے ماہرینِ فن موجود تھے، لیکن ابوالفضل کی انشا پردازی اور فصاحت اپنی مثال نہ رکھتی تھی۔ اکبر اپنے اس وزیرِ دربار سے بے حد محبت کرتا تھا۔

ابوالفضل اُس زمانے کے ایک مشہور عالم و معلّم شیخ مبارک ناگوری کے ہاں ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے بھائی فیضی کے ساتھ اپنے باپ ہی سے تمام علوم کی تحصیل کی اور جوان ہو کر اپنے باپ کے تمام حریفوں کو شکست دے کر دربار تک رسائی حاصل کی۔ اِن دونوں بھائیوں نے بہت جلد اکبر کے مزاج میں دخل حاصل کر لیا۔ ابوالفضل فارسی زبان کا ممتاز انشا پرداز اور عہدِ اکبری کا سب سے بڑا مؤرخ تھا۔ اکبر نامہ اُس کی ایک لازوال تاریخ ہے، جس سے مؤرخین کو اکبر کے دور کی تمام تفصیلات صحیح صحیح معلوم ہو سکتی ہیں۔ اِس کتاب کا تیسرا حصّہ آئینِ اکبری ہے، جس میں ابوالفضل نے اکبری سلطنت کے آئین، اس کے مذہب اور مُلک کے نظم و نسق کا پُورا پُورا حال لکھا ہے اور درباری و عوامی زندگی کے تمام پہلوؤں کو روشن کیا ہے۔

ابوالفضل کے مکتوبات کا مجموعہ تین حصّوں میں آج بھی مشرقی زبانوں کے امتحانات میں نصاب کا مقام رکھتا ہے۔ ابوالفضل اعلیٰ درجے کے شعرا و ادبا کا بے حد قدر دان تھا اور دربار میں سفارش کر کے اُن کو عطیات و وظائف دِلایا کرتا تھا۔

چونکہ دربار اور محل کے تمام معاملات میں ابوالفضل بے حد دخیل تھا اور اکبر کو اُس کی دانائی و خیر خواہی پر بڑا اعتماد تھا، اِس لیے اکبر کا ولی عہد جہانگیر اُسے پسند نہ کرتا تھا بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ابوالفضل کا قتل جہانگیر ہی کے اشارے سے ہُوا تھا۔

ابوالفضل ۱۰۱۱ھ = ۱۶۰۲ء میں دکن سے واپسی پر ایک بندیلے کے ہاتھ سے مارا گیا۔

☆

ترکش مارا خدنگِ آخریں
(اقبالؒ)

اورنگ زیب عالمگیر

متقی، دین دار، عادل، پابندِ شریعت اور محنتی بادشاہ، جس کے عہد میں مغلوں کی سلطنت کابل سے چاٹگام تک اور تبت سے راس کماری تک پھیل گئی۔

شاہ جہان کے چاروں بیٹوں میں سب سے زیادہ عاقل اور بہادر شہزادہ اورنگ زیب عالمگیر تھا۔ تمام عمر سختی سے اسلامی احکام پر کاربند رہا۔ تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی ان تمام مشرکانہ رسُوم کو یک قلم بند کر دیا جو مغل درباروں میں مدت سے چلی آ رہی تھیں۔ ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، کبھی تہجد تک قضا نہ کی۔ صبح سے شام تک سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا۔ نوّے برس کی عمر میں بھی لشکروں کے ساتھ جنگ کے میدانوں میں گھومتا رہا اور عام سپاہیوں کی طرح ہر قسم کی سختیاں جھیلیں۔ اپنے ذاتی خرچ کے لیے خزانۂ شاہی سے کچھ نہ لیتا بلکہ قرآنِ پاک لکھ کر اور ٹوپیاں سی کر اس کی اُجرت اپنی ذات پر خرچ کرتا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے فقہ اسلامی کے احکام فتاوائے عالمگیری کے نام سے مرتب کیے گئے جو اب تک فقہ حنفیہ کی نہایت مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ اورنگ زیب خود عالمِ دین تھا، اس لیے اس نے ملک کے بہترین علماء کو خود منتخب کر کے یہ کام ان کے سپرد کیا اور ہر روز جتنا کام ہو جاتا تھا، اس پر نظرِ ثانی خود کیا کرتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنے باپ شاہجہان کی بیماری اور بڑھاپے میں عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے تینوں بھائیوں یعنی دارا شکوہ، مراد اور شجاع کی فتنہ پردازیوں کو ختم کیا لیکن حکومتِ اسلامی کے استحکام کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد بادشاہ بننے سے عیش و عشرت کرنا نہ تھا۔ اس نے پچاس برس سے بھی کچھ زیادہ دن حکومت کی۔ پچیس برس شمالی ہند میں رہا اور پچیس برس دکن میں بسر کیے۔ سلطنت کو وسعت دی۔ ملک میں امن و امان قائم کیا، بغاوتوں کا سر کچلا، انصاف کی حکومت قائم کی۔

اورنگ زیب عالمگیر میں جہاں اور بے شمار خوبیاں تھیں وہاں وہ زبانِ فارسی کا نہایت اچھا انشا پرداز بھی تھا۔ اس کی کتاب "رقعاتِ عالمگیری" انشائے فارسی کی بے نظیر کتاب ہے۔

اس عظیم الشان بادشاہ نے نوّے سال کی عمر پائی۔ دکن کے مقام احمد نگر میں تھا کہ بخار ہوا اور ۱۱۱۸ھ = ۱۷۰۷ء میں اپنے اللہ سے جا ملا۔ وصیت کی کہ چار روپے دو آنے کی رقم جو میں نے ٹوپیاں سی کر جمع کی ہے اس سے کھدر کا کفن خریدا جائے اور قرآن لکھ کر جو تین سو پانچ روپے کمائے ہیں، وہ خیرات میں دے دیے جائیں۔

اُردو کا بے نظیر مرثیہ گو

کربلا کے دردناک واقعے پر فارسی اور اُردو میں بے شمار مرثیے لکھے گئے، لیکن کوئی شاعر میرانیس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا۔ یہ وُہ شاعر ہے جس کا کلام مجلسوں میں آج بھی بڑے شوق سے سُنا جاتا ہے۔

میرانیس لکھنؤ میں ۱۸۰۲ء میں پیدا ہُوئے۔ اصلی نام ببر علی تھا۔ میر خلیق کے بیٹے اور میر حسن کے پوتے تھے۔ خاندان میں پُشتوں سے شعرگوئی کا سلسلہ چلا آتا تھا اور میر حسن کی مثنوی کو تو سب لوگ جانتے ہیں۔ میرانیس نوجوانی میں غزلیں کہتے تھے۔ والد کے کہنے پر مرثیہ گوئی شروع کر دی اور پھر عُمر بھر مرثیے کے سوا کچھ نہ لکھا۔

میرانیس اور اُن کے ہم عصر مرزا دبیر کی شاعری کو غازی الدین حیدر کے زمانے میں فروغ ہُوا۔ جب تک اودھ میں بادشاہی رہی، میرانیس کبھی لکھنؤ سے باہر نہ گئے لیکن جب ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کو انگریزوں نے تخت سے اُتار کر اودھ پر قبضہ کر لیا اُس کے بعد میرانیس کبھی کبھی باہر بھی چلے جاتے تھے۔ پٹنہ، حیدر آباد، الٰہ آباد وغیرہ میں بعض قدردانوں کی دعوت پر گئے اور ہر جگہ اپنے کمال کے جھنڈے گاڑ کر آئے۔

اُنیس کی شاعری ہومر اور فردوسی کی یاد دلاتی ہے۔ مناظرِ قُدرت کی نقشہ کشی، جنگ و پیکار کے ہنگاموں کا حال، کُلفت و غم کے واردات۔ پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت کے مراتب کا خیال، میرانیس کی شاعری کے جوہر ہیں۔ ان کی شاعری ظاہری حُسن وخُوبی کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے۔ شکوہِ الفاظ، چُستیِ بندش اور تلازم و تشبیہات تمام اہلِ فن کے نزدیک بے نظیر ہیں۔ میرانیس بہت اچھے مرثیہ خواں بھی تھے اور اس فن میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ خلوت میں جب مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تو ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ لیتے تاکہ حرکات اور اشارات موزوں رہیں، ناپسندیدہ یا ناموزوں نہ ہونے پائیں۔

میرانیس کے بعد اُن کے جانشینوں اور شاگردوں نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن ان کو انیس کا کمال نصیب نہ ہُوا۔ انیس نے خاصی لمبی عُمر پائی۔ ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ ہی میں انتقال ہُوا اور سبزی منڈی میں اپنے ہی مکان میں دفن کیے گئے۔

ایڈیسن

ایڈیسن امریکہ کا سب سے بڑا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُس نے کوئی ایک ہزار ایجادیں کیں۔ وُہ مُسلسل سعی و کوشش کا نمُونہ اور قریب قریب ہر مسئلے پر قوم کو بہترین مشورے دیتا تھا۔ وُہ میلان (اوہایو) میں ۱۱ فروری ۱۸۴۷ء کو پیدا ہُوا۔ ابھی بچہ ہی تھا کہ اُس کے ماں باپ مچیگن چلے گئے۔ وہاں ایڈیسن نے سب سے پہلے گرینڈ ٹرنک ریلوے پر ایک اخبار فروش کی حیثیت سے کام شرُوع کیا۔ کچھ مُدت گزرنے کے بعد وُہ ایک مال گاڑی میں اپنا ذاتی اخبار نکالنے اور چھاپنے لگا۔

اُس کے بعد تار برقی کی طرف توجّہ کی، لیکن ایک ماہر و مشاق "تار بابُو" بن کر بھی اُس کو اطمینان نہ ہُوا۔ یہاں اُس نے ایک آلہ ایجاد کیا، جس سے کسی "تار بابُو" کی مدد کے بغیر دُوسری لائن پر بھی پیغامات بھیجے جا سکتے تھے۔ اس کے بعد اُس نے ایک چار رُخ کا تار ایجاد کیا اور چلتی ہُوئی ٹرینوں کو پیغام پہنچانے کا طریقہ بھی دریافت کر لیا۔

۱۸۸۶ء میں ایڈیسن نے اپنے گھر اور لیبارٹری سے ملحق ضرُوری آلات بنانے کا ایک کارخانہ "مینلو پارک" (نیُوجرسی) میں قائم کیا، جس کو بڑی شہرت حاصل ہُوئی۔ یہاں پینتالیس سال تک مسلسل اُس نے محنت و مشقت سے زندگی گزاری۔

ایڈیسن کی سب سے زیادہ مشہُور ایجادوں میں سے چند یہ ہیں: فونوگراف، مائیکروفون، میمیوگراف، ٹیلیفون کے لیے کاربن کا پیغام رساں اور سب سے بڑی نعمت جو اُس نے بنی نوعِ انسان کو دی، وُہ بجلی کا بلب ہے جس کے لیے اُس نے سال ہا سال نہایت صبر سے کام کیا۔ اُسے بار بار ناکامی ہُوئی، لیکن اُس نے ہمت نہ ہاری اور آخر بجلی کا بلب بنانے میں کامیاب ہُوا۔ اُس نے "کینیٹوسکوپ" بنایا جو ترقی پاکر آج کل کا سینما بن گیا اور ہم متحرک تصویریں دیکھنے لگے۔ ایڈیسن نے اپنی ایجاد فونوگراف کو ترقی دے کر دونوں کو باہم ملا کر بولتی چالتی تصویریں بنا ڈالیں۔ نکل اور لوہے کی سٹوریج بیٹری بھی اسی نے ایجاد کی اور اُس کا آخری کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے مصنوعی ربڑ بنانے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ ایڈیسن قریب قریب بہرا ہو گیا تھا۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو فوت ہُوا۔

عالمِ اسلام کا بے نظیر
شاعر اور فلسفی

علّامہ اقبالؒ

علامہ اقبالؒ زمانۂ حاضر میں عالَم اسلام کے سب سے بڑے شاعر اور فلسفی تھے، جنھوں نے فلسفۂ خودی کی تشریح کی، اتحادِ عالمِ اسلامی کی دعوت دی اور نسل و رنگ کے خلاف آواز بلند کی۔

علامہ اقبالؒ کے بزرگ سوا دو سو سال پیشتر کشمیری پنڈت تھے۔ ایک بزرگ نے اسلام قبول کیا اور سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔ ان کے والد شیخ نور محمد نہایت پرہیزگار صوفی تھے اور ٹوپیاں سی کر معاش حاصل کرتے تھے۔ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ سکول کی تعلیم کے بعد ایف۔ اے مشن کالج سیالکوٹ سے اور بی۔ اے اور ایم۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ سیالکوٹ میں ایک بزرگ عالم مولوی سید میر حسن رہتے تھے ان سے اقبال نے فارسی، عربی اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کی۔ شعر گوئی کا ملکہ شروع سے تھا اور انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسوں میں اُن کی نظمیں شوق سے سنی جاتی تھیں۔

۱۹۰۵ء میں یورپ گئے۔ پی ایچ ڈی اور بیرسٹری پاس کر کے تین سال بعد واپس آئے۔ لاہور میں وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۱۴ء میں انھوں نے اپنا فلسفۂ خودی پیش کیا۔ پھر "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بے خودی" دو مثنویاں لکھیں۔ اُن کی شاعری کا شہرہ ہندوستان کے باہر دوسرے ملکوں میں بھی ہو گیا۔ بعد میں انھوں نے "پیامِ مشرق"، "زبورِ عجم"، "بانگِ درا"، "بالِ جبریل"، "جاوید نامہ" اور نظموں کے دوسرے اور مجموعے شائع کیے۔ فلسفۂ اسلامی کے متعلق انگریزی میں چھ لیکچر دیے، جو اہلِ علم میں بے حد مقبول ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبالؒ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ الٰہ آباد میں انھوں نے جو خطبہ پڑھا، اُس میں تجویز کیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت ہونی چاہیے جس کے ماتحت مسلم اکثریت کے علاقے آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ یہ گویا پاکستان کے قیام کا پہلا مطالبہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کے سامنے ایک معیّن نصب العین رکھ دیا اور انھوں نے یہ نصب العین قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سیاسی قابلیت سے حاصل کر کے اپنا ایک علیٰحدہ ملک قائم کر لیا۔

علامہ اقبالؒ قوم کے تمام طبقوں میں ہر دلعزیز تھے۔ کالجوں کے پروفیسر، طلبہ، صحافی، اہلِ سیاست اور عوام سب اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اُن کے خیالات سے مستفیض ہوتے۔ خود نہایت درویش طبع اور سادہ مزاج آدمی تھے کھانے پینے اور رہنے سہنے میں کسی تکلّف کے روادار نہ تھے۔

۱۹۳۴ء میں علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ نواب حمیداللہ خان والیٔ بھوپال نے پانسو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اب تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سلسلے میں کچھ سیاسی کام بھی کر لیا کرتے تھے، لیکن علالت کے بعد یہ قصّہ ختم ہو گیا۔ آخر ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ کا انتقال ہو گیا۔

عالمگیر انسانی محبّت کا پیغامبر

مہاتما گوتم بُدھ

بُودھ مت کا بانی گوتم بُدھ ہندوستان میں پیدا ہُوا، لیکن آج بھی اس کے کروڑوں پیرو لنکا، برما، سیام، کمبوڈیا، جاپان اور چین میں موجود ہیں اور وہ دُنیا کے بڑے بڑے مذہبی رہنماؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں کپل وستو (نیپال) کے راجا شدھودھن کے ہاں ایک بچّہ پیدا ہُوا، جس کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ یہ بچّہ بچپن ہی سے سوچتا رہتا کہ انسانوں میں اُونچ نیچ کا فرق کیوں ہے؟ اِس دُنیا میں اتنے دُکھ اور تکلیفیں کیوں ہیں؟ اور سُکھ کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے؟ باپ نے اٹھارہ برس کی عُمر میں اُس کی شادی کر دی، لیکن سدھارتھ برابر بے چین رہا۔ آخر ایک رات بیوی بچے اور شاہی محل کی آسائشوں کو چھوڑ کر نکل گیا اور جنگلوں میں جا کر سخت ریاضتیں کرنے لگا۔ ایک دن شہر گیا کے قریب ایک بڑ کے درخت تلے بیٹھا ہُوا غور کر رہا تھا کہ اُس پر سچائی منکشف ہو گئی اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ عالمگیر انسانی محبّت کا پیغام دُنیا والوں کو پہنچائے گا۔

اب سدھارتھ گوتم بُدھ کہلانے لگا۔ جب اُس نے دیکھا کہ پُرانا ویدک دھرم ذات پات کے بندھنوں کی وجہ سے ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے تو اُس نے اس مذہب کے خلاف آواز بلند کی۔ اُس نے کہا کہ شُودر اور برہمن میں کوئی فرق نہیں۔ سب انسان ہیں اور اُن کے حقُوق برابر ہیں۔ مذہب میں کسی ریت، رسم اور قربانی کی ضرورت نہیں۔ دیوی دیوتاؤں کو ماننا جہالت ہے۔ صرف خواہشات پر قابو پانے سے نجات ہو سکتی ہے۔ صحیح علم حاصل کرو۔ نیک نیّتی، راست گفتاری، راست بازی، جائز ذریعۂ معاش اور فکر و مراقبہ کی پاکیزگی اختیار کرو اور اِن اُصُولوں پر عمل کر کے اپنے آپ کو تمام زنجیروں سے آزاد کرو۔

مہاتما بُدھ نے اپنے اِن اُصُولوں کی تعلیم عام کرنے کے لیے نگر نگر کا دَورہ کیا۔ برہمنوں کے ستائے ہُوئے ہندُوؤں نے جُوق در جُوق اس نئے دھرم کو قبُول کرنا شروع کیا اور بُدھ کے راسخ العقیدہ "بھکشُوؤں" نے اس دھرم کی تبلیغ میں محنت اور جفاکشی سے کام لیا۔ یہ لوگ بھُوکے پیاسے رہ کر بھی دھرم کا پرچار کرتے رہتے۔

مہاتما بُدھ کی تبلیغ سے دیکھتے ہی دیکھتے ہندو دھرم کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں۔ اشوک اس برِ عظیم کا پہلا مہاراجا تھا، جس نے بُودھ مت قبُول کر کے اسے مُلک کے طُول و عرض میں پھیلایا۔

غالباً ۴۸۳ قبل مسیح میں مہاتما بُدھ کا انتقال ہو گیا۔

علمِ طب کا باپ

بُقراط

بُقراط اُس طبیب کا بیٹا تھا جس کا دعوٰی تھا کہ وُہ طب کے یُونانی دیوتا اسقلیبوس کی نسل سے ہے۔ اس دیوتا کا نام اُس حلف نامے میں لیا جاتا ہے جو یُونان کے ڈاکٹر اور طبیب اب تک اُٹھاتے ہیں۔ بُقراط ۴۶۰ قبل مسیح میں جزیرۂ کوس میں پیدا ہُوا جو اسقلیبوس کے نزدیک مُقدس تھا۔

اگرچہ یُونانیوں کو انسانی جسم کی چیر پھاڑ سے سخت نفرت تھی، لیکن بُقراط نے تشریح اعضا کے مُطالعہ و تحقیق میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کر کے تشریح اعضا کے علم میں بہت بڑا اضافہ کیا۔ وُہ اپنے زمانے کے رواج کے خلاف بیماری کے متعلق ہر قسم کی اوہام پرستی کا مُخالف تھا۔ اُس کو یقین تھا کہ انسانی جسم میں صرف قُدرتی وُجُوہ سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جنوں بھُوتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس عقیدے سے طب میں نئے تجربات اور ایجادات کا دروازہ کھُل گیا۔

بُقراط نے بیماریوں کے اسباب کو دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔ اوّل موسمی اور آب و ہوائی، دوُم ذاتی یعنی غلط خُوراک کا استعمال، ورزش نہ کرنا وغیرہ۔ وُہ دواؤں کے استعمال اور فصد کھولنے پر اتنا اعتقاد نہ رکھتا تھا جتنا صحیح قسم کی غذا اور باقاعدگی پر بھروسا رکھتا تھا۔

کہتے ہیں کہ بُقراط نے طب تو اپنے باپ سے پڑھی تھی اور فلسفے کی تعلیم مشہور حکیم دمقراطیس سے حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ مُدت تک وُہ سفر کرتا رہا اور واپس آ کر اپنے وطن یعنی جزیرۂ کوس میں مُعالجات کا کام کرنے لگا۔ لیکن آج کل کے اہلِ علم اُس کی زندگی اور اُس کی تصانیف کے متعلق معدودے چند باتوں کو یقینی طور پر صحیح سمجھتے ہیں۔

بُقراط کے متعلق زیادہ تر معلومات ایک تو افلاطُون اور ارسطُو کے حوالوں سے حاصل ہوتی ہیں جو اُس کے قریب العہد تھے اور دُوسرے مجمُوعہ رسائل بُقراط سے۔ یہ چند طبّی رسالوں کا مجمُوعہ تھا جو ۳۰۰ قبل مسیح کے بعد مدرسۂ اسکندریہ میں شائع ہونے لگے تھے لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان رسالوں سے کتنے واقعی بُقراط کے تصنیف کردہ ہیں۔

موت کے وقت بُقراط کی عُمر کیا تھی۔ اس کے متعلق مُختلف اندازے لگائے گئے ہیں جو ۸۵ سے ۱۱۰ سال تک کے ہیں

فلسفہ و طب میں مشرق و مغرب کا امام

شیخ الرئیس بُوعلی سینا

طب اُور فلسفے میں مشرق و مغرب کو مِلا کر بُوعلی سیناسے زیادہ نامی حکیم پیدا نہیں ہُوا۔ خصُوصًا طب میں تو وُہ امام مانا جاتا ہے اُور پندرھویں صدی عیسوی تک مشرق کے علاوہ یُورپ کی یُونیورسٹیوں میں بھی اس کی کتاب "قانُون" داخلِ نصاب رہی ہے۔

بُوعلی سینا کا نام حُسین تھا۔ والد کا نام عبدُاللہ۔ خاندان ابنِ سینا کی نسبت سے مشہُور تھا، جو غالبًا بُوعلی کے چوتھے یا پانچویں جد تھے۔ عبدُاللہ بُخارا کے ایک علاقے کا حاکم تھا۔ وہیں صفر ۳۷۰ ہجری (اگست ۹۸۰ء) میں بُوعلی پیدا ہُوا۔ دس سال کی عُمر میں عُلُومِ عربیّہ کی تعلیم سے فراغت حاصل کی اُور چھ سال تک فلسفہ، ریاضیات ہیئت اُور طب کا مُطالعہ کیا۔ سترہ سال کی عُمر میں اُس کی طبّی حذاقت کا یہ عالم تھا کہ اُس نے ایک سامانی بادشاہ نُوح ابنِ منصُور کا علاج کیا جو ایک نہایت خطرناک مرض میں مُبتلا تھا۔ جب بادشاہ کو صحت حاصل ہُوئی تو اُس نے دُوسرے انعامات کے علاوہ بُوعلی کو اُس کی خواہش پر اپنے کتب خانہ شاہی سے استفادے کی اجازت بھی دے دی۔

سامانی خاندان ۱۰۰۴ء میں ختم ہو گیا تو بُوعلی سینا نے کچھ مدت خوارزم کے بادشاہ کی مُلازمت کی۔ اِس کے بعد جرجان میں منطق اُور ہیئت کی تدریس میں مصرُوف رہا۔ جہاں سے وُہ ہمدان پہنچا اُور شمسُ الدولہ کا وزیر بن گیا۔ یہاں فوج نے بغاوت کر دی اُور مطالبہ کیا کہ وزیر کو قتل کر دیا جائے۔ اس پر بُوعلی سینا چھپ کر نکل گیا۔ کچھ مدت کے بعد ہمدان میں شاہِ اصفہان کی حکومت قائم ہو گئی اُور بُوعلی سینا تصنیف و تالیف میں مصرُوف ہو گیا۔

شیخ نے بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں جن میں سے دو نہایت ضخیم کتابیں بے حد مشہُور ہیں۔ "کتابُ الشفاء" اٹھارہ جلدوں میں اُور "القانُون فی الطب" چودہ جلدوں میں ہے۔ تمام عُلوم اور فنُون کے مُتعلق ایک انسائیکلوپیڈیا بھی "لسانُ العرب" کے نام سے مُرتّب کیا۔ منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، طب اُور مابعد الطبیعیات میں عدیمُ المثال قابلیت رکھتا تھا۔ اُس کی کتاب "القانُون" یُورپ کی یُونیورسٹیوں میں پندرھویں صدی کے اواخر تک کُل نصابِ تعلیم کا نصف سے زیادہ حصّہ تھی اُور مُونٹ پلیئر اُور لووین کی یُونیورسٹیوں میں ۱۶۵۰ء تک داخلِ نصاب چلی آتی تھی۔ اس کی تقریبًا سب اہم کتابوں کے ترجمے یُورپی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

بُوعلی سینا سخت دماغی محنت کا عادی تھا۔ ایک دفعہ ایک جنگی مہم کے سلسلے میں فوج کے ساتھ جا رہا تھا کہ شدید قولنج میں مبتلا ہُوا اور جون ۱۰۳۷ء میں انتقال کر گیا۔

بجلی کو قابو میں لانے والا

بنجمن فرینکلن

بنجمن فرینکلن آج تک فلیڈلفیا کا پہلا شہری سمجھا جاتا ہے۔ جب ۱۷ اپریل ۱۷۹۰ء کو اُس کا انتقال ہوا تو نہ صرف فلیڈلفیا کا پُورا شہر اُس کے جنازے کے ساتھ تھا، بلکہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی نئی کانگریس نے اُس کی موت پر تعزیت کی قراردادیں منظور کیں یہاں تک کہ پیرس ایسے دُور دراز مقام پر فرانس کی قومی اسمبلی نے تین دن تک اس کا سوگ منایا۔

بنجمن فرینکلن ۱۷ جنوری ۱۷۰۶ء کو بوسٹن میں پیدا ہُوا۔ اُس کے سوتیلے بھائی جیمز کا ایک پریس تھا، جس میں بنجمن فرینکلن نے چھپائی کا کام سیکھا۔ یہ وُہی جیمز ہے، جس نے بعد میں "نیو انگلینڈ کورانٹ" نامی اخبار جاری کیا تھا۔ سترہ سال کی عُمر میں بنجمن فرینکلن فلیڈلفیا میں کام کرنے لگا اور کُچھ مدّت کے بعد اخبار "فلیڈلفیا گزٹ" خرید کر اُس کا ایڈیٹر بن گیا۔ ۱۷۳۱ء میں اُس نے "لائبریری کلب" قائم کی، جو بڑھتے بڑھتے امریکہ کی پہلی گشتی لائبریری بن گئی۔ پانچ سال بعد اُس نے فلیڈلفیا کی پہلی آگ بُجھانے والی کمپنی قائم کی۔ بنجمن فرینکلن نے شہری خدمت کے بہت سے کام کیے۔ گلی کوچوں میں فرش لگوائے۔ روشنی کا انتظام کیا۔ ایک ہسپتال قائم کیا۔ فلیڈلفیا کی اکادمی اور پنسلوینیا کی یُونیورسٹی بھی اُسی نے بنائی تھی۔

بنجمن فرینکلن کا وُہ تجربہ تو مشہور ہی ہے کہ اُس نے بادلوں تک ایک پتنگ پہنچایا اور اُس کی ڈور میں کنجی باندھ کر بجلی کا پتا چلایا۔ پھر اُس نے "فرینکلن کی انگیٹھی" ایجاد کر کے بنی نوع انسان کو آرام پہنچایا۔ وُہ سائنس کی ہر شاخ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ چُنانچہ اُس نے ڈاکٹری کے آلات سے لے کر موسمیات تک میں کئی نئی ایجادیں کیں۔

شہری خدمت اور علمی خدمت کے بعد ۱۷۵۳ء میں بنجمن فرینکلن نے قوم کی سیاسی خدمت بھی شروع کر دی۔ سب سے پہلے وُہ نوآبادیوں کا پوسٹ ماسٹر جنرل مُقرّر ہُوا۔ پھر جب ملک میں انقلاب آیا تو اُس نے "اعلانِ آزادی" لکھنے میں مدد دی اور اُس پر دستخط بھی کیے۔ بنجمن فرینکلن چار دفعہ پنسلوینیا کی کانسل کا صدر چُنا گیا۔

فرینکلن کی کتابوں میں سب سے زیادہ دلچسپ اُس کی نامکمل سوانح عُمری ہے، جو اُس نے خُود لکھی تھی۔ یہ کتاب حاضر جوابی اور دانائی کی باتوں سے بھری ہُوئی ہے۔ اور دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ☆

بہت بڑا جنگی
ناول نگار

کاؤنٹ لیو ٹالسٹائی

ٹالسٹائی کے ناول "اینا کیرے نینا" اور "وار اینڈ پیس" دُنیا بھر کے کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور خود ٹالسٹائی کی شخصیت پر دُنیا کے پڑھے لکھے انسان غور وخوض کرتے رہے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان جو نفسیاتی مُشکلات پیدا ہوتی ہیں اور جنگ کی وجہ سے جو اذیت ناک کش مکش رُونما ہوتی ہے اُس کو دنیا کے کسی مصنّف نے ٹالسٹائی سے زیادہ حسن وخُوبی کے ساتھ نہیں لکھا۔

کاؤنٹ لیو ٹالسٹائی ۹ ستمبر ۱۸۲۸ء کو رُوس کے صُوبہ "تولا" میں پیدا ہُوا۔ مقام پیدائش کا نام "یسنایا پولیانا" ہے۔ اُس کا خاندان مُعزز اور دولت مند تھا، اس لیے ٹالسٹائی کی جوانی بہت چین آرام سے گزری۔ ۱۸۴۴ء سے ۱۸۴۷ء تک کازان یُونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ پھر اُسے فوجی زندگی کا تجربہ بھی ہُوا۔ چار سال کی اس مُدت میں اُس نے کئی ناول اور نظمیں لکھیں۔

جنگ کے بعد ٹالسٹائی نے فوج سے استعفیٰ دے دیا۔ اور کچھ مدت کے لیے سینٹ پیٹرز (برگ) کی خُوش باش ادبی اور مجلسی زندگی کا لُطف اُٹھایا۔ پھر اٹلی اور جرمنی کا سفر کیا، جس کے دوران میں اُسے مُعاشرتی عدمِ مُساوات کا نہایت گہرا احساس ہُوا۔ چنانچہ اُس نے احتجاج کے طور پر "شہزادہ مخلیو داف کی سرگزشت" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔

۱۸۶۲ء میں اُس نے اٹھارہ سال کی ایک لڑکی "سوفی بہرس" سے شادی کی اور اُسی سے ٹالسٹائی کو اپنے سب سے بڑے ناول "اینا کیرے نینا" کا مواد حاصل ہُوا، جس میں اُس نے ایک ناخُوش گوار شادی کی المیہ کہانی لکھی ہے۔ دس سال پہلے اُس نے نپولین کی رُوسی مُہم کا حال "وار اینڈ پیس" کے نام سے لکھا تھا۔ یہ وُہ ناول ہے جس نے اُس کو دُنیا کے ایک بڑے ناول نگار کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔

ٹالسٹائی رُوس کے مظلوم کسانوں کا بڑا حامی تھا۔ اس نے کسانوں کی سی غریبانہ زندگی اختیار کر لی۔ پھر مروّجہ عیسائی عقائد میں بھی اصلاح کر کے اسے انجیل کے مطابق بنایا اور ناداری، مسکینی اور عدمِ مزاحمت کو سب سے بڑی نیکیاں قرار دیا۔ وُہ امن اور عدمِ تشدّد کے فلسفے کا بڑا مُبلّغ تھا۔

۲۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو ٹالسٹائی کو ایک ریلوے سٹیشن پر نمونیا ہُوا اور اُسی سے اُس کا انتقال ہو گیا۔

دوشیزۂ اورلینز

جون آف آرک

فرانس کی وہ دیہقانی دوشیزہ جس نے اپنے جوشِ عمل سے اُس زمانے کے فرانسیسی سپاہیوں کے خون میں بجلیاں بھر دی تھیں۔ یہ مضمون صدیوں سے شاعروں، مصنفوں اور ڈرامانگاروں کا دلکش موضوع چلا آتا ہے۔

جون آف آرک ۱۴۱۲ء میں فرانس کے ایک گاؤں ڈومریمی میں پیدا ہوئی۔ وہ بالکل ان پڑھ تھی۔ لیکن بڑی حساس ذہن اور خوش عقیدہ بھی تھی۔ وہ رُوحوں، فرشتوں، خوابوں اور بشارتوں پر گہرا عقیدہ رکھتی تھی۔

حملہ آور انگریز سپاہی اُس کے ہم وطن فرانسیسیوں پر مظالم ڈھا رہے تھے اور وہ تڑپ رہی تھی کہ کسی طرح اپنے مُلک کو اس مُصیبت سے نجات دلائے۔ اُس کو غیب سے آوازیں آنے لگیں کہ جاؤ۔ ولی عہد فرانس کی مدد کرو۔ اُس نے گاؤں کے لوگوں کو بتایا کہ مجھے فرانس کی مدد کا حکم ہُوا ہے اور میں جا رہی ہوں۔ بعض لوگ اس کو جھوٹی اور مکار کہتے تھے۔ بعض دیوانی سمجھتے تھے۔ لیکن اُس نے تحمل سے اپنی کوشش جاری رکھی اور بالآخر بادشاہ کے بڑے لڑکے سے مُلاقات کر ہی لی۔ "ڈافن" نے اُس کے مذہبی جوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی سوچا کہ سپاہیوں پر ایک پُرجوش لڑکی کی تلقین کا اچھا اثر پڑے گا۔

چنانچہ اُس نے جون آف آرک کو اجازت دے دی کہ فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے۔

کنواری جون نے ۲۹ اپریل ۱۴۲۹ء کو مردانہ وردی پہنی، ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں سفید جھنڈا لیا اور دس ہزار فرانسیسیوں کو لے کر اورلینز کے محصور شہر میں جا گھسی۔ اُس نے پے در پے ایسے کامیاب حملے کیے۔ انگریزوں نے گھبرا کر مُحاصرہ اُٹھا لیا۔ اُس کے بعد جون آف آرک ولی عہد "ڈافن" کو ریمز لے گئی۔ جہاں اُسے چارلز ہفتم کے نام سے تاج شاہی پہنایا گیا۔

مئی ۱۴۳۰ء میں جون آف آرک کومپین کے محصور شہر کی مدد کی کوشش کر رہی تھی کہ انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی۔ ایک طویل اور شرمناک مُقدمے کے بعد بووے کے پادری نے اُس کو جادوگرنی قرار دیا اور ۳۰ مئی ۱۴۳۱ء کو رُوان کے بازار عام میں اُس کو ٹکٹکی سے باندھ کر جلا دیا گیا۔

جون آف آرک کی موت کے بعد ۱۴۵۶ء میں حکومت نے اُس کے مقدمے پر نظرِ ثانی کی اور اُس کو بے قصور ٹھہرایا۔ ۱۹۲۰ء میں پوپ بینی ڈکٹ پانزدہم نے اُس کو باقاعدہ کیتھولک رُسوم کے ساتھ "ولیہ" قرار دے دیا۔

عالمِ اسلامی کے اتّحاد اور آزادی کے داعی

سیّد جمالُ الدّین افغانی رح

اسلامی مُلکوں میں آزادی کی جو تحریکیں پیدا ہُوئیں ان سب کا سرچشمہ سیّد جمالُ الدین افغانی ہی کی ذات تھی۔ اُن کی خواہش تھی کہ مُسلمان مُلک متّحد ہو کر مغرب کے استعمار سے آزاد ہو جائیں اُور جہالت اور بدحالی سے نجات حاصل کر لیں ——

آپ افغانستان کی ایک بستی سعد آباد میں سیّد صفدر کے گھر ۱۲۵۴ھ = ۱۸۳۸ء میں پیدا ہُوئے۔ آٹھ سال کے تھے کہ امیر دوست محمّد خاں نے اُن کے والد کو کابُل بُلایا۔ جمالُ الدین نے دس سال کابُل ہی میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد حج کو روانہ ہُوئے اور ہندوستان، حجاز، شام، عراق، ایران کی سیاحت کرتے ہُوئے چھ سال بعد واپس افغانستان لَوٹے۔ امیر دوست محمّد خاں نے ہرات پر حملہ کیا تو سیّد جمالُ الدین ساتھ تھے۔ ہرات کی فتح کے بعد دوست محمّد خاں کا انتقال ہو گیا اور سیّد جمالُ الدین کی کوشش سے امیر شیر علی خاں بادشاہ ہُوئے لیکن شہزادوں میں جھگڑے ہونے لگے۔ چُنانچہ سیّد جمالُ الدین ۱۸۶۸ء میں افغانستان سے رخصت ہو کر ہندوستان ہوتے ہُوئے مصر چلے گئے۔

مصر میں سیّد جمالُ الدین جامعہ اَزہر کے مُعلّم مقرّر ہو گئے۔ اُن کے علم و فضل کی شُہرت دُور دُور پھیلی۔ چُونکہ وہ آزادی کے علم بردار تھے اُور مصر میں اُس وقت برطانوی اثر بڑھ رہا تھا، اس لیے انگریزوں کی سازش سے سیّد جمالُ الدین مصر سے نکال دیے گئے۔ یہاں سے آپ استنبول پہنچے۔ تُرکی کے وزیر نے بڑی آؤ بھگت کی اُور سیّد صاحب کی شُہرت تمام مُلک میں پھیل گئی۔ شیخ الاسلام کو حسد ہُوا اُور اُس نے سازش کر کے اُن کو تُرکی سے نکلوا دیا۔ چُنانچہ جمالُ الدین پھر مصر پہنچ گئے وزیرِ اعظم ریاض پاشا نے اُن کا وظیفہ مُقرّر کر دیا۔ سات برس مصر میں رہے اُور مصریوں کی تعلیم اُور بیداری میں سرگرم حصّہ لیا۔ آخر انگریزوں کی سازش سے پھر نکالے گئے اُور ہندوستان آ کر حیدرآباد میں مقیم ہُوئے لیکن یہاں بھی اُنھیں چین نہ لینے دیا گیا اُور انگریزوں نے اُنھیں حیدرآباد سے کلکتہ پہنچا دیا۔

سیّد جمالُ الدینؒ کو ہندوستان میں بھی پناہ نہ ملی تو امریکہ ہوتے ہُوئے پیرس پہنچے۔ وہاں مشہور مصری عالم محمّد عبدہٗ کے ساتھ مل کر ایک اخبار "العروۃُ الوُثقیٰ" جاری کیا، جس نے اسلامی مُلکوں کی بیداری میں شاندار خدمات انجام دیں لیکن چند ماہ کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا۔ اب ایران کے بادشاہ ناصرُ الدین نے اُن کو اپنے پاس بُلایا لیکن جب سیّد صاحبؒ نے مُلکی خیر خواہی کے کام شروع کیے تو چغل خوروں نے اُن کو ایران سے بھی نکلوا دیا۔ پھر وہ رُوس چلے گئے۔ کچھ مُدّت کے بعد ناصرُ الدین نے اُن کو پھر بُلوا لیا، لیکن پھر بگاڑ ہو گیا اُور جمالُ الدین افغانیؒ سُلطان عبدُالحمید خاں کی دعوت پر استنبول چلے گئے۔ وہیں ۱۸۹۷ء میں بیمار ہُوئے اُور ۹ مارچ کو انتقال کر گئے۔

"خون پسینہ اور آنسو"

مسٹر ونسٹن چرچل

لاکھوں انسان مانتے ہیں کہ مسٹر چرچل ان تمام خوبیوں کے پیکر تھے جو انگریز قوم کی خصوصیات ہیں۔ انتہائی جرأت و دلیری جو شکست ماننے کو تیار نہیں ہوتی، پُر زور ہمت اور توانائی، دلآویز تقریر، فراست و دیانت، عملی کاموں اور فنون میں بے انتہا شغف۔

مسٹر چرچل ۳۰ نومبر ۱۸۷۴ء کو بلین ہیم پیلس میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد لارڈ رنڈولف چرچل اور ان کی والدہ ایک امریکن خاتون "جینی جیروم" تھیں۔ جو نیو یارک کی رہنے والی تھیں۔ چرچل نے ہیرو اور سینڈ ہرسٹ میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۵ء میں برطانوی فوج میں ملازم ہوئے اسی سال ہسپانوی فوج کے ساتھ کیوبا میں خدمت انجام دی اس کے بعد ہندوستان اور جنوبی افریقہ میں متعین رہے۔ بوئروں کی جنگ میں گرفتار ہوئے اور بڑی جرأت کے ساتھ وہاں سے بچ نکلے۔

۱۹۰۰ء میں وہ پہلے پہل کنزرویٹو ممبر کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں منتخب ہوئے اور ۱۹۰۴ء میں لبرل پارٹی کے ساتھ جا ملے۔ اس کے بعد انھوں نے تیز رفتاری سے ترقی کی۔ پہلے بورڈ آف ٹریڈ کے صدر ہوئے (۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۰ء تک) پھر ہوم سیکرٹری (۱۹۱۰ء) اور اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں امارت بحری کے فسٹ لارڈ بنائے گئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ بحری بیڑے کو جنگ کے لیے تیار کریں۔ پہلی جنگِ عظیم میں برطانیہ کو جو کامیابیاں حاصل ہوئیں وہ اسی تیاری کا نتیجہ تھیں۔

دو جنگوں کے درمیان دس سال تک چرچل نے وزارت کے کسی عہدے پر کام نہ کیا لیکن جب ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم چھڑی تو چرچل امارت بحری کے فسٹ لارڈ بنائے گئے اور فرانس کی شکست سے پہلے موسم بہار میں وزیر اعظم مقرر ہو گئے۔

جنگ کے پہلے تاریک دور میں صرف چرچل ہی کی تقریروں نے انگلستان کو قائم اور زندہ رکھا اور آخر میں فتح کا تاج پہنایا۔

۱۹۴۵ء کے وسط میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آگئی۔ چرچل پھر مخالف پارٹی کے لیڈر بن گئے اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا۔ جنگ کے بعد کے چند سال انگلستان کے لیے بے حد مشکلات کے تھے۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے عام انتخابات میں کنزرویٹو پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آگئی اور مسٹر چرچل پھر وزیر اعظم بن گئے۔ ۱۹۵۳ء میں ادب کا نوبل پرائز ملا۔ ۱۹۵۵ء میں سیاسیات سے الگ ہو گئے۔ ۱۹۶۴ء میں انتقال ہوا۔

اللہ کے رسولؐ کا نواسا
شہیدِ کربلا
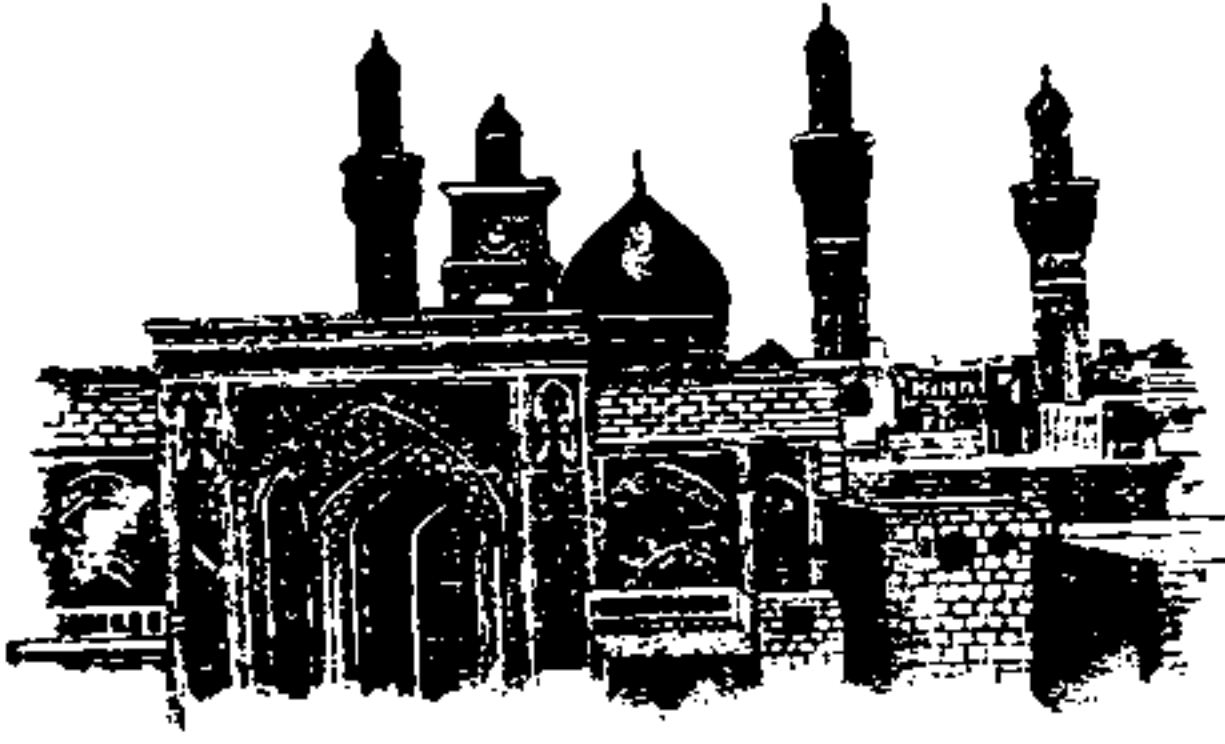
حضرت حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حسینؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے لختِ جگر، نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ انھوں نے حق کی خاطر میدانِ کربلا میں اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کر دیں اور دنیا میں ایثار و قربانی کا وہ جذبہ پیش کیا جس پر مُسلمان ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔

آپ ۴ھ ماہ شعبان میں پیدا ہُوئے۔ چھ سال کے تھے کہ آپ کے نانا یعنی رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اِس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر چھ ماہ بعد والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ لیکن امّت اپنے ہادی کے نواسوں کو آنکھوں پر بٹھاتی تھی۔ اس لیے زندگی اطمینان سے گزرتی رہی۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں مُسلمانوں کی باہمی لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت حسینؓ کے بڑے بھائی امام حسنؓ اُمّت کو خونریزی سے بچانے کے لیے خلافت سے دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہؓ خلیفہ بن گئے۔ دونوں بھائی بیس برس تک مدینہ منوّرہ میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد قرار دے کر بیعت لے لی تھی۔ لیکن حضرت حسینؓ کو اس طریقے سے اختلاف تھا لہٰذا اُنھوں نے بیعت نہ کی۔ امیر معاویہؓ ۶۰ھ میں فوت ہو گئے یزید خلیفہ ہُوا اور اس نے حاکم مدینہ کو حکم بھیجا کہ عبداللہ ابنِ زبیرؓ اور حسینؓ سے فوراً بیعت لو۔ اس پر حسینؓ مدینہ سے مکّہ چلے گئے۔

کوفہ والوں نے امام حسینؓ کو قاصد پر قاصد بھیجے کہ آپ کوفہ آ جائیں سارا مُلک آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہے۔ حضرت حسینؓ نے اپنے چچیرے بھائی مُسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے اطلاع دیں۔ وہ کوفہ پہنچے تو سب لوگ حضرت حسینؓ کے حامی نظر آئے۔ اُنھوں نے حضرت حسینؓ کو لکھ دیا کہ اہلِ کوفہ آپ کے منتظر ہیں۔

یہ حالات دیکھ کر یزید نے ابنِ زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا جس نے اہلِ کوفہ کو ڈرا دھمکا کر یزید کا حامی بنا لیا اور مُسلم بن عقیل کو شہید کر دیا۔ حضرت حسینؓ مکّہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ راستے میں مُسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی۔ لیکن حسینؓ نہ رُکے۔ ابنِ زیاد نے حُر کو فوج دے کر بھیجا کہ حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کو واپس نہ جانے دے چنانچہ حسینؓ ایک بے آب و گیاہ میدان "کربلا" میں پہنچ گئے۔ ابنِ زیاد کے ساتھیوں سے گفت و شنید ہُوئی۔ انھوں نے حضرت حسینؓ کی ایک نہ سُنی اور یہی کہا کہ یا تو ہمارے ساتھ ابنِ زیاد کے پاس چل کر یزید کی بیعت کر دیا لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آخر محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو ایک طرف چار ہزار سپاہ اور دُوسری طرف حضرت حسینؓ اور اُن کے بہتّر رفیق صف آرا ہُوئے۔ سادات نے بہادری کا شان دار مظاہرہ کیا لیکن آخر عصر کے وقت حضرت حسینؓ شہید ہو گئے اور صبر و رضا کا ایک بے مثال نمونہ پیش کر گئے۔

فارسی زبان کا سب سے بڑا غزل گو

فارسی زبان کو حافظ کی شاعری پر بجا طور پر ناز ہے۔ وُہ ایرانیوں کا نہایت مقبول شاعر ہے۔ عام فارسی دانوں کی نگاہ میں حافظ ایسا شاعر ہے جو عشق و مستی کی واردات کو بڑی دلآویزی سے بیان کرتا ہے اور عاشق کے سینے کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہے۔ صُوفیوں نے حافظ کے کلام میں تصوّف کے نکات تلاش کیے، لیکن بہر کیف یہ ماننا پڑتا ہے کہ حافظ کوئی مولوی نہ تھا بلکہ نہایت گرم دل اور تڑپتی ہُوئی فطرت رکھتا تھا۔ اُس کے اشعار آج بھی اہلِ دل کو تڑپا دیتے ہیں۔ اور فارسی زبان اپنی وسعت کے باوُجود حافظ جیسا شاعر پیدا نہیں کر سکی۔

حافظ کی شاعری کا اصل میدان غزل ہے اور دیوان حافظ ہی وُہ کتاب ہے جس پر اُن کی عظمت کا قصر کھڑا ہے۔ دیوان حافظ کے انگریزی اور جرمن زبان میں بھی ترجمے ہوئے ہیں اور متن بھی بڑے اہتمام سے یورپ میں چھاپا گیا ہے۔

حافظ کو ایران سے بے پناہ محبت تھی۔ علاوہ بریں وُہ طبیعت کے اعتبار سے بھی خلوت پسند تھے۔ بارہا ہندوستان کے بادشاہوں اور امیروں نے اُنھیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی لیکن حافظ نہ آئے۔ وُہ ہمیشہ ان دعوتوں کو خُوب صُورتی سے ٹال دیتے تھے۔

حافظ کے مقبرے پر جو قطعہ تاریخ درج ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے خاصی عمر پائی اور ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں انتقال کیا۔

دُنیا میں جہاں کہیں فارسی زبان جاننے والے موجود ہیں، وہاں حافظ شیرازی کی غزل لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ حافظ کی غزل اپنی سادگی، رنگینی اور تاثیر کے اعتبار سے نظیر نہیں رکھتی۔

خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی غالباً ۷۰۰ھ = ۱۳۰۰ء میں پیدا ہُوئے۔ آغاز ہی سے شعر و تصوّف کے مطالعے کا شوق رکھتے تھے جو اُنھوں نے شیخ محمود عطار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک وہ اپنے مربی اور سرپرست حاجی قوام الدین کے قائم کردہ مدرسے میں تفسیر قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ اُنھوں نے حافظ تخلص اس لیے اختیار کیا کہ وُہ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ حافظ چونکہ فطرتاً بہت وسیع المشرب تھے، اس لیے تنگ نظر اہلِ ظاہر کی صحبت اُن کی طبع پر گراں گزرتی۔ چنانچہ اُنھوں نے تصوّف اور شاعری کی طرف اور زیادہ توجّہ کی۔ ان کے رُفقا ان اشغال کو بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ اس کشمکش کا سُراغ اُن کے کلام میں بھی ملتا ہے کہ وُہ شیخ، زاہد، واعظ اور صُوفی پر بے دردی سے طنز اور رندوں اور مے کشوں سے محبت کا اظہار کرتے ہیں

سب سے پہلی مسلم خاتون

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

وہ خاتون، جو سب سے پہلے نبیِ آخر الزّماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اُس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور حضورؐ کی عمر پچیس سال تھی۔ جب آپؐ کو نبوّت ملی اور حضورؐ نے دعوتِ اسلام دی تو انھوں نے سب سے پہلے لبّیک کہی۔

پچیس برس تک رسولِ پاکؐ کی رفاقت فرمائی۔ حضرت فاطمہؓ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ اپنے بلند اخلاق اور نیکی کی وجہ سے مکّہ میں "طاہرہ" کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔

آں حضرتؐ سے پہلے اُن کے یکے بعد دیگرے دو نکاح ہوئے لیکن دونوں شوہر جلد ہی فوت ہو گئے۔ دولت مند خاتون تھیں۔ تجارت کرنے لگیں۔ اپنا مال قریش کے قافلوں کے ساتھ شام بھیجتیں۔ آں حضرتؐ کی نیکی اور دیانت مُلک بھر میں مشہور تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ اپنا مال آں حضرتؐ کی نگرانی میں بھیجا۔ اس دفعہ نفع پہلے سے دُگنا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ آپ کی راست بازی اور دیانت سے بہت متاثر ہوئیں۔ چنانچہ نکاح کا پیغام بھیجا جو قبول کر لیا گیا۔

نکاح کے پندرہ برس بعد آں حضرتؐ پر غارِ حرا میں پہلی وحی اُتری تو آپ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ نے اُن کو تسلّی دی اور اپنے چچیرے بھائی کے پاس لے گئیں جو انجیل کے عالم تھے۔ اُنھوں نے فرمایا "یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ پر اُترا تھا اور آپ اللہ کے نبی ہیں۔"

عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ کفّار نے آں حضرتؐ پر بڑی بڑی سختیاں کیں۔ حضرت خدیجہؓ ہر حالت میں اپنے جلیل القدر شوہرؐ کی غم خواری کرتیں اور اُن کو اطمینان دلاتیں کہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ نبوّت کے ساتویں برس قریش نے رسولِ پاکؐ اور اُن کے گھرانے والوں کو ایک گھاٹی "شعب ابی طالب" میں نظر بند کر دیا۔ یہ زمانہ بڑی مصیبت کا تھا، لیکن حضرت خدیجہؓ اُس وقت بھی رسولِ پاکؐ کی ہر مصیبت کی رفیق تھیں۔

آں حضرتؐ خدیجۃ الکبریٰؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اُن کی زندگی میں دوسری شادی نہ کی اور اُن کے مرنے کے بعد بھی اُن کو ہمیشہ یاد کرتے رہے، بلکہ اُن کی سہیلیوں کی خاص طور پر عزّت کرتے تھے۔

پچیس برس کی ازدواجی زندگی میں حضرت خدیجہؓ نے پندرہ برس تو اطمینان سے گزارے لیکن آخری دس برس میں قوم کی سختیوں کے باعث بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ آخر نبوّت کے دسویں برس ماہِ رمضان میں وفات پائی۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

اسلام کا وہ سپہ سالار جس نے لاکھوں مخالفین کی فوجوں کو شکست دے کر اسلام کا پرچم بلند کیا اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرمایا۔

حضرت خالد بن ولید قریش کے اونچے گھرانے سے تھے جنگِ اُحد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لیے قریش کے سواروں کی کمان انہی کے ہاتھ میں تھی اور ان کے حملے سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔

فتح مکہ سے پہلے آپ مدینہ پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد جنگِ موتہ میں مسلمانوں کی فوج کے کمانڈر بنے۔ اسلامی لشکر صرف تین ہزار کا تھا اور رومی فوج ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔ خالد بن ولید نے ان مٹھی بھر مسلمان بہادروں کو اس خوبی سے لڑایا کہ رومی فتح سے مایوس ہو کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ مدینہ پہنچے تو بارگاہِ رسالت سے "سیف اللہ" کا خطاب پایا۔ حنین کی جنگ میں زخمی ہوئے۔ طائف کی جنگ میں کامیابی حاصل کی اور کئی اور چھوٹے چھوٹے معرکوں میں شریک رہے۔

رسولِ پاک کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر کے عہد میں جتنے فتنے اٹھے ان سب کی روک تھام کے لیے حضرت خالد نے شاندار کارنامے انجام دیے اور پھر رومیوں اور ایرانیوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے۔ دمشق کو فتح کیا۔ یرموک کے میدان میں رومی دو لاکھ کا لشکر لے کر آئے۔ خالد نے اپنی فوج کے بکھرے ہوئے دستے جمع کر کے ان سے جنگ شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کو شکست ہوئی اور دنیا بھر میں مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی۔

خالد بن ولید کی عمر کا بڑا حصہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں صرف ہوا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر تیر یا تلوار کے زخم نہ ہوں۔ خطرے کے موقع پر ہمیشہ سب سے آگے رہتے۔ حضرت خالد کم و بیش سوا سو لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

ان کی بڑی خواہش تھی کہ میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوں لیکن بیمار ہو گئے اور اس کے بعد کسی لڑائی میں شامل ہونے کا موقع نہ ملا۔ آخر ہجرت کے بائیسویں سال حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں انتقال ہوا۔

ذہین وطبّاع شاعر
صُوفی اور مُوسیقار

امیر خسرو

امیر خُسرو نے بلبن سے محمد تغلق تک دس گیارہ بادشاہوں کے زمانے دیکھے اور اپنی شاعری اور موسیقی سے ہندوستان کی ثقافت کو مالا مال کیا۔ اُن کی ذہانت اور طباعی کی مثال نہیں ملتی۔

امیر خُسرو "لاچین" ترکوں کے قبیلے سے تھے۔ اُن کے والد امیر سیفُ الدّین محمُود، چنگیز خان کے حملے کے بعد بلخ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان آ گئے۔ شمسُ الدّین التمش کے مصاحبوں میں سے تھے۔ نواب عمادُ الملک کی بیٹی سے شادی ہُوئی۔ امیر خسرو موضع پٹیالی ضلع ایٹہ میں ۱۲۵۳ء میں پیدا ہُوئے۔ آٹھ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ نانا نے تعلیم دِلائی اور تربیت کی۔ بیس سال کی عُمر میں عربی، فارسی اور مُروّجہ عُلوم کی تحصیل سے فارغ ہُوئے۔ شاعری اور موسیقی کا شوق آغاز ہی سے تھا۔ غیاثُ الدّین بلبن کا بیٹا شہزادہ محمد اُن کا بے حد قدر دان تھا۔ شہزادہ محمد اور مغلوں کے درمیان جنگ ہُوئی، جس میں خُسرو بھی گرفتار ہو گئے۔ دو سال بعد بمشکل رہائی ملی۔ اِس کے بعد خسرو مختلف بادشاہوں کے درباروں میں بلند مناصب پر فائز رہے۔

خسرو فارسی کے باکمال شاعر تھے، لیکن اُردو زبان کے بھی باوا آدم ثابت ہُوئے کیونکہ اُنھوں نے اُردو میں کہ مکرنیاں، دو سخنے، پہیلیاں اور گیت لکھ کر اپنی ذہانت کا ثبوت دیا۔ فارسی میں اُن کی متعدد مثنویاں اور چار دیوان مشہُور ہیں، جن کا لوہا ایرانی بھی مانتے ہیں۔ اِسی طرح اُنھوں نے موسیقی میں بھی مجدّد کا مرتبہ حاصل کیا۔ ایرانی موسیقی اور ہندوستانی موسیقی کو سمو کر اُنھوں نے بہت سی راگنیاں ایجاد کیں اور شمالی ہندوستان میں موسیقی کا انداز بالکل بدل دیا، جس کی پیروی آج تک کی جا رہی ہے۔ قوالی کے مُوجد وُہی ہیں۔ بعض کے نزدیک ستار بھی انھی کی ایجاد ہے۔ قول، ترانہ، خیال، نگار، بسیط، شاہانہ، سہیلا اُن کے بڑے بڑے راگ ہیں، جن میں سے اکثر کی طرزیں اب بھی مقبولِ عام ہیں۔

حضرت نظامُ الدّین اولیاءؒ کے نہایت عقیدتمند اور عاشق مُرید تھے اور حضرتِ ممدُوح کو بھی خُسرو سے محبت تھی۔ چنانچہ خسرو نے ظاہری عُلوم کے ساتھ ہی ساتھ طریقت کی منزلیں بھی طے کیں اور اپنے پیر و مُرشد کے فیض سے مستفیض ہو کر مقاماتِ بلند حاصل کیے۔ غرض بے نظیر نابغۂ روزگار علم و فضل، شعر و سخن، فنِ موسیقی اور طریقت و تصوّف سب شعبوں میں کمال رکھتا تھا۔ ۷۲۵ھ = ۱۳۲۵ء میں خواجہ نظامُ الدّین اولیاءؒ کا انتقال ہُوا۔ چند ماہ بعد امیر خسرو بھی فوت ہو گئے اور پیر و مُرشد کے مزار واقع دہلی کے پائینتی دفن ہُوئے۔

برِصغیر میں تبلیغِ اسلام کے پہلے عَلَم بردار

سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش

برِصغیر ہندوستان میں جن لوگوں نے محض اسلامی تعلیمات اور اپنی زندگیوں کے پاک نمونے پیش کر کے تبلیغِ اسلام کا حق ادا کیا اور جن کے فیض سے لاکھوں انسان برضا و رغبت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ان میں داتا گنج بخش کا نام بہت ممتاز ہے۔

سُلطان محمود غزنوی کا عہد تھا۔ ۴۰۰ھ میں سید علی ہجویر (غزنی) میں پیدا ہوئے جو بعد میں داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا خاندان دینداری اور خدا پرستی میں مشہور تھا۔ سید علی نے غزنی کے علاوہ خراسان ترکستان، ایران، عراق اور شام میں کئی سال تحصیلِ علوم میں بسر کیے۔ پھر طریقت میں شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے مُرید ہوئے۔ چند سال فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ ہندوستان جاؤ۔ سید علی ہجویری صرف دو رفیقوں کو ساتھ لے کر ۴۳۱ ہجری میں لاہور پہنچے۔ یہاں غزنوی کی حکومت قائم ہوئے بیس برس گزر چکے تھے۔

لاہور پہنچ کر سید علی ہجویری نے ایک مسجد بنائی۔ اس سے ملحق ایک مدرسہ قائم کیا اور تعلیم دین اور صفائیِ باطن کا کام شروع کر دیا۔ سید علی کے زہد و اتقا اور روحانی اثرات کی وجہ سے بے شمار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور بے شمار مُسلمانوں کی زندگیاں صحیح معنوں میں اسلامی بن گئیں۔ آپ نے مُلک کے اس حصّے کے ہر گوشے میں اپنے شاگردوں اور مریدوں کو پھیلا دیا۔ چونتیس برس تک لاہور میں مقیم رہ کر علم و تصوّف کا سب سے بڑا سرچشمہ بنے رہے۔ آپ کی تصانیف کئی ہیں جن میں کشفُ المحجُوب بہت مشہُور ہے۔ اس میں تصوّف و رُوحانیت کے پُورے نظام اور تعلیماتِ باطن کے متعلق تفصیلات درج ہیں۔

چُونکہ آپ اس برّعظیم کے بزرگانِ دین میں بہت بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس لیے بڑے بڑے بادشاہ اور سُلطان آپ کے مزار پر عقیدت مندانہ حاضر ہوتے رہے اور بڑے بڑے بلند مرتبت اولیا نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ۵۸۰ ہجری میں لاہور آئے اور آپ کے مزار پر چلّہ کھینچا۔ سُلطان ابراہیم غزنوی اور سُلطان شمسُ الدین التمش نے اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کے نسخے لکھ کر داتا صاحب کے مزار پر بھیجے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری ۴۶۵ ہجری میں فوت ہوئے اور اسی مقام پر جہاں چونتیس برس تک اسلام کی خدمت بجالاتے رہے دفن کیے گئے۔ آپ کا مزار اب تک مرجعِ خاص و عام ہے۔

مُصیبت زدوں کا شاعر

دانتے

مغربی دُنیا کا دعویٰ ہے کہ دانتے دُنیا کے چھ سب سے بڑے شاعروں میں سے ایک ہے۔ وہ محض شاعر نہیں تھا بلکہ اپنے بہت سے اطالوی ہمعصروں کی طرح دیگر مشاغل کا شوق بھی رکھتا تھا۔ نقشہ کشی میں بڑا ہُنرمند تھا، موسیقی سے بھی شغف رکھتا تھا اور اپنے زمانے کے متعدد علوم کا ماہر تھا۔ ایک وقت میں سپاہی تھا اور ایک وقت فلارنس کا سرگرم سیاست داں۔

دانتے ۱۲۶۵ء میں پیدا ہوا۔ اُس کا خاندان فلارنس میں درمیانے درجے کا دولت مند خاندان تھا۔ اُس نے فلارنس کے علاوہ بولونیا اور پیڈووا کی یونیورسٹیوں میں بھی تعلیم پائی۔ بوکاشیو نے لکھا ہے کہ وہ یونیورسٹی میں اخلاقی اور طبیعی فلسفے کا نہایت ذہین طالب علم تھا۔

سیاسیات میں دانتے درمیانی طبقے کی جماعت سے وابستہ تھا جو اُمراء و شرفاء کی جماعت کی سخت مخالف تھی۔ "کیمپل ڈینو" کی لڑائی میں (۱۲۸۹ء) دانتے درمیانی طبقے کے ایک سوار کی حیثیت سے لڑا۔ اس جنگ میں درمیانی طبقے کو فتح حاصل ہوئی اور اس نے فلارنس کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ۱۳۰۰ء میں وُہ کچھ مدت کے لیے شہر کے چھ حاکموں میں سے ایک تھا۔ اس حالت میں چونکہ اُس نے پوپ کی مخالفت کی تھی، اس لیے وُہ ۱۰ مارچ ۱۳۰۲ء کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اُس کے بعد اُسے اپنے محبوب وطن یعنی فلارنس میں دوبارہ قدم رکھنے کا موقع نہ ملا۔

مُصیبت زدہ دانتے اگرچہ اٹلی میں بے خانماں تھا، لیکن اُس نے اپنی بہترین کتابیں اِس جلاوطنی ہی کے زمانے میں لکھیں۔ اُس کی سب سے مشہور کتاب "ڈیوائن کامیڈی" (طربیۂ خداوندی) ۱۳۲۱ء میں اُس کی موت سے کچھ پہلے مکمل ہوئی۔ حالیہ تحقیقات سے یورپ کے اہلِ علم نے پتہ چلایا ہے کہ اِس کتاب کا اصل ماخذ ابنِ عربی اندلسی کے افکار ہیں۔ اُس کی مشہور نظموں میں سے "وائٹا نووا" ہی ایسی نظم ہے، جو اُس نے فلارنس میں لکھی تھی۔ دانتے کو بچپن کے زمانے میں بیٹریس سے جو محبت تھی، اُس کو شاعر نے اپنی شاعری سے لافانی بنا دیا۔

ادبیاتِ عالیہ میں دانتے کی طویل نظم ڈیوائن کامیڈی کا رُتبہ بہت اُونچا ہے۔ علیتِ تخیل، طنز، سیاسی دانشمندی اور مذہبی جذبے کے اعتبار سے یہ کتاب بے نظیر ہے۔ نقادوں کی رائے ہے کہ یہ کتاب کسی اور زمانے میں اور کسی اور شاعر کے قلم سے ممکن ہی نہ تھی۔ اُس نے یہ کتاب ایک ایسی بحر میں لکھی ہے جس کا موجد وُہ خود ہی تھا اور ماہرین کہتے ہیں کہ کوئی دُوسرا شاعر اس بحر میں بھی دانتے کا مُقابلہ نہیں کر سکا۔

انسان پہلے کیا تھا؟
ارتقاء کا راز

ڈارون

چارلز رابرٹ ڈارون وہ فاضل حکیم ہے جس نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا یعنی "انتخابِ طبیعی" کا عمل سمجھایا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ کرۂ ارضی پر زندگی کی جو مختلف قسمیں موجود ہیں وہ کیونکر پیدا ہوئیں۔ اُس نے تحقیق اور تجربے سے ثابت کیا کہ پودوں اور حیوانوں کی صورت میں تبدیلیاں کم وبیش فوری طور پر ہوتی ہیں۔ اگر ماحول اُن سے موافق ہو تو وہ تبدیلیاں مستقل ہو جاتی ہیں اور اگر موافق نہ ہو تو غائب ہو جاتی ہیں۔

ڈارون ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء کو شروزبری میں پیدا ہوا۔ مشہور ظروف ساز جوشووا ویجوڈ کا پوتا تھا۔ پہلے ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے ایڈنبرا بھیجا گیا، لیکن جب معلوم ہوا کہ ڈاکٹری سیکھنے کا اہل نہیں ہے تو اُس کے باپ نے اُسے پادری بنانے کے لیے کیمبرج بھیج دیا۔ وہاں ڈارون کو بعض نئے دوست ملے جن کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ وہ مذہبی تعلیم چھوڑ کر سائنس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

۱۸۳۱ء میں جب ڈارون تعلیم سے فارغ ہوا تو وہ علم الحیوانات کے ماہر کی حیثیت سے "بیگل" جہاز کے بحری سفر پر بھیج دیا گیا۔ یہ بحری سفر کوئی پانچ سال تک جاری رہا اور ڈارون کو جنوبی امریکہ کے گرد اور مغربی بحرالکاہل کے بہت سے جزیروں پر چکر لگانے کا موقع ملا۔ ان مختلف علاقوں میں اُس نے بے شمار زندہ اور کبھی کے مُردہ جانوروں کی باقیات دیکھیں جن سے اس نے یہی نتیجہ نکالا کہ "انتخابِ طبیعی" کا اصول صحیح ہے یعنی صرف وہی نوع باقی رہتی ہے جو دوسری انواع سے زیادہ ماحول سے مطابقت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اگرچہ ڈارون نے اس نظریے کا خاکہ پہلے ہی تیار کر لیا تھا لیکن ۱۸۵۹ء میں اُس نے اپنی مشہور کتاب "اصل انواع" شائع کی جس پر مخالف و موافق لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس بحث میں ٹی۔ ایچ ہکسلے ڈارون کے حامیوں کا ـــــ اور پادری ولبر فورس مخالفوں کا سرگروہ تھا۔ ڈارون کی دوسری کتاب "ذاتِ انسان" ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اُس نے انسان کے آباؤ اجداد کا پتہ چلانے کے لیے اپنے نظریۂ ارتقاء کو استعمال کیا۔ یہ کتاب عام لوگوں تک بھی پہنچی۔ چنانچہ اس پر اور بھی زیادہ بحث مباحثہ ہوا۔ اس سے تین سال پہلے اُس نے ایک اور کتاب میں یہ بتایا تھا کہ پودوں اور جانداروں میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ڈارون نے بہت سی کتابیں لکھیں۔

ڈارون ۱۹ اپریل ۱۸۸۲ء کو فوت ہوا اور انگلستان کے مشہور قومی قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے میں دفن کیا گیا۔

فلسفے اور منطق سے حقائق دین کو ثابت کرنے والا
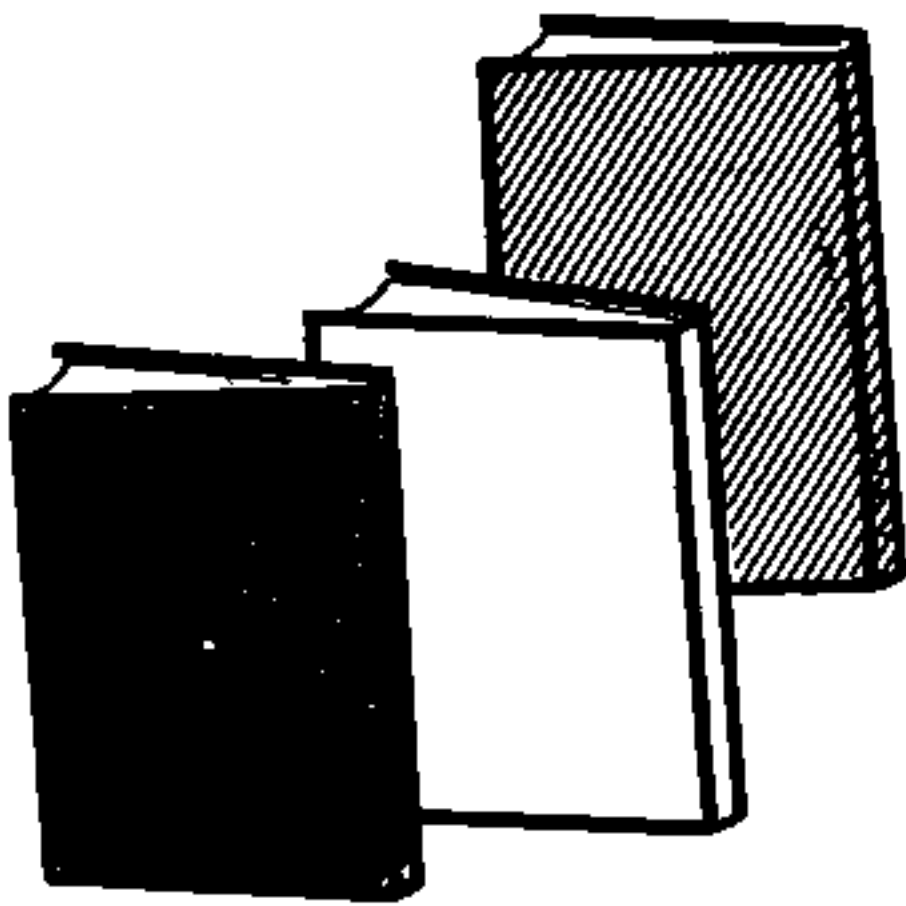
امام فخرالدّین رازیؒ

امام رازی دُنیائے اسلام میں اس لیے مشہور ہیں کہ انھوں نے معقولات یعنی فلسفے اور منطق سے دینی حقائق کو مدلّل طور پر ثابت کیا۔ اگرچہ بعض جلیل القدر علما کے نزدیک وجدان و عقیدہ سب سے بڑے رہنما ہیں اور بعض اوقات دین میں عقل کام نہیں دیتی، لیکن بہر حال اس سے امام رازی کی علمی عظمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فخرالدّین رازی ۱۱۴۹ء میں رے کے قصبے میں پیدا ہوئے اور اسی لیے رازی کہلاتے۔ یہ مقام قریب قریب اُسی جگہ واقع تھا جہاں آج کل شہر تہران واقع ہے۔ یوں تو فخرالدّین رازی کی تعلیم بچپن ہی سے شروع ہوگئی تھی لیکن انھوں نے رے اور مراغہ میں الٰہیات کی تکمیل کی۔ آپ فقہ میں امام شافعی کے پیرو اور الٰہیات میں اشعری کے متبع تھے اور اسلام کے عقایدِ سلفی کی حمایت میں بے حد نامور تھے۔

امام فخرالدّین رازی کی سب سے بڑی تصنیف "مفاتیح الغیب" ہے جو قرآن مجید کی نہایت مفصّل معقولاتی تفسیر ہے۔ تمام قرآنی حقائق کو اپنے زمانے کے فلسفے اور منطق کے بل پر ثابت کرنا فخرالدّین رازی کی خصوصیت ہے۔ اِس اعتبار سے کوئی دوسرا مفسّر ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ عقاید پر ان کی کتاب المحصل مشہور ہے۔ فخرالدّین رازی نے خوارزم اور ماوراء النہر کا سفر کیا۔ اور وہاں پر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں خطبات دے کر مُسلمانوں کے گمراہ فرقوں کے خلاف تبلیغ کی۔ رازی ہندوستان میں بھی آئے تھے۔ اور محمّد غوری کے لشکر میں وعظ و ارشاد کیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ قرامطہ سے تعلّق رکھنے اور اُن کی حمایت کرنے کے الزام میں معتوب بھی ہوئے لیکن جلد ہی بدگمانی دُور ہو گئی اور رہا کر دیے گئے۔

چونکہ منطق دینی عقاید کا ثبوت مہیّا کرنے میں کام نہیں دیتی اسی لیے علّامہ اقبال نے لکھا:

"جیتا ہے رُومی ہارا ہے رازی"

اور مولانا رُوم نے فرمایا:

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

بہرحال فخرالدّین رازی اپنے زمانے میں عقلیات اور تفسیر کے امام تھے اور اس پہلو سے اُن کی عظمت مسلّم ہے۔

آخر عمر میں آپ ہرات میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۱۲۰۹ء میں انتقال کیا۔

فلسفۂ اسلام اور تصوّف کا سب سے بڑا مفسّر

مولانا جلال الدّین رُومیؒ

مولانا رُوم فارسی نظم میں فلسفۂ اسلام ، اور تصوّف اسلامی کے سب سے بڑے شارح گزرے ہیں۔ ان کی مثنوی کو سات سو سال سے مسلمانوں نے حرزِ جان بنا رکھا ہے۔

محمد بن محمد بن حسین البلخی (المعروف بہ مولانا رُوم) ۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء کو خراسان کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے ان کے والد چونکہ رُوم میں بلا لیے گئے تھے۔ اس لیے ان کے لائق صاحبزادے نے اپنے لیے رومی تخلص اختیار کیا۔ آپ نے تحصیلِ علوم کے بعد قونیہ کے ایک صُوفی بزرگ حضرت شمس تبریز سے علمِ طریقت حاصل کیا اور اشعار میں اپنے خیالاتِ عالی کا اظہار کرنے لگے چنانچہ اُن کا دیوان موجود ہے جس کو اُنھوں نے تبرّ کا اپنے پیرومرشد کے نام پر "دیوانِ شمس تبریز" سے موسوم کیا۔ آپ کا بہت بڑا ادبی ، رُوحانی اور دینی کارنامہ آپ کی مثنوی ہے جو تقریباً چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں اسلامی فلسفہ و تصوّف کے معارف نہایت دلآویز انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

مولانا رُوم نے درویشوں کا ایک نیا سلسلہ مولویہ کے نام سے قائم کیا جو اپنے زہد و تقوٰی ، ماتمی لباس ، موسیقی اور وجد و سماع کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ یہ درویش اپنی مجالس سماع میں ایک خاص قسم کا رقص کرتے ہیں جس میں گھومتے اور چکر کھاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے متصوفانہ ذوق و وجدان کی کیفیت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فرقہ مولویہ کے ان افکار و اشغال میں سے کتنا حصہ مولانا رُوم کی تعلیم کا اثر ہے اور کتنا حصہ بعد میں شامل کر لیا گیا۔

مولانا رُوم اپنے مواعظ و ارشادات میں جن اخلاقی اور صُوفیانہ خیالات کا اظہار کرتے تھے ان کو دیکھ کر ان کے ایک مرید حسن (حسام الدین) نے تجویز پیش کی کہ آپ ان کو نظم کر کے مدون کر دیجیے۔ اس پر مولانا نے ان کو مثنوی لکھوانی شروع کر دی۔ ۱۲۵۸ء میں مولانا نے حسن کی مدد سے یہ کام شروع کیا اور صرف تھوڑے سے وقفے کے سوا اپنا سارا وقت اسی پر صرف کیا یہاں تک کہ یہ عظیم الشان کتاب تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس مثنوی کے چھ دفتر ہیں۔ ایک ساتواں بھی ہے جو غیر مستند اور الحاقی سمجھا جاتا ہے۔

مثنوی کی تکمیل کے تھوڑے عرصے بعد مولانا رُوم ۱۷ دسمبر ۱۲۷۳ء کو رحلت کر گئے اور قونیہ میں دفن ہوئے۔

یورپی مصوّری کا امام

ریمبراں

بہت سے باکمال مصوّروں کے متعلق تو یہ سُنا ہے کہ شروع شروع میں کسی نے اُن کی قدر نہ کی، لیکن آخر بڑھاپے میں اُن کی تصویروں کی بڑی قیمت ملنے لگی اور وہ اپنے فن کی وجہ سے خوش حال ہو گئے لیکن ریمبراں کا معاملہ بالکل اُلٹا ہے۔ پچیس سال کی عمر میں تو وہ امسٹرڈم کا سب سے بڑا شبیہہ ساز مانا گیا، لیکن اُس کے بعد اُس کی ہر دلعزیزی نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ نوجوان مصوّروں کی طرح مفلسی کا شکار ہو گیا اور آخر اسی حالت میں مر گیا۔ لیکن اُس کے بعد فن کے قدر دانوں نے اُس کو تاریخ کے غیر فانی مصوّروں میں شمار کیا اور آج تک اُس کی یہ حیثیت قائم ہے۔

ریمبراں ۱۵ جولائی ۱۶۰۶ء کو ہالینڈ کے شہر لائڈن میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ ایک دولت مند کارخانہ دار تھا۔ والدین کی مرضی تو یہ تھی کہ ریمبراں کو کوئی پیشہ سکھائیں لیکن اُس نے خود اپنے جی میں یہ ٹھان لی تھی کہ اپنے رجحان طبع کے مطابق مشغلہ اختیار کرے گا۔ اُس نے اپنے شہر میں اور امسٹرڈم میں تین سال تک تو عام تعلیم حاصل کی۔ لیکن اُس کے بعد ۱۶۲۶ء میں لائڈن کے مقام پر مصوّری شروع کر دی۔ پانچ سال بعد وہ اتنا مشہور ہو گیا کہ امسٹرڈم کے بعض ممتاز اشخاص نے اُس کو اس شہر میں منتقل ہو جانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ امسٹرڈم چلا گیا اور پھر بقیہ عمر وہیں رہا۔

اُس کی تصویریں تین ادوار میں تقسیم کی جاتی ہیں اور اُن میں سب سے زیادہ نمایاں فرق رنگوں کا استعمال ہے۔ ۱۶۴۰ء تک زیادہ غالب رنگ سبزی مائل خاکی ہے۔ اس کی شاندار اجتماعی شبیہہ جراحی کا سبق Lesson In Anatomy اسی رنگ میں تھی اور مارٹن ڈائی اور اُس کی بیوی کی شبیہیں اور Danae یہ بھی اسی رنگ میں ہیں۔ خصوصاً آخر الذکر میں تو اُس نے نسوانی جسم کی شبیہہ بنانے میں کمال کر دیا ہے۔

دوسرے دور میں سنہری بھورا رنگ غالب ہے۔ اُس زمانے میں اُس نے "بیداری"، "مقدس خاندان"، "نیک سامری" اور "بدکار عورت" جیسے شاہکار پیش کیے۔ ۱۶۵۴ء کے بعد اُس نے دھندلے سرخ خاکی اور زرد رنگ اپنے فن کے انتہائی کمال کے زمانے میں استعمال کیے اور "یوحنا بپتسمہ دینے والا"، "یہودی بیوی"، "فیملی گروپ" جیسی تصویریں تیار کیں۔

ریمبراں کی کُل تصویروں کی تعداد قریب قریب ایک ہزار ہو گی۔ لیکن وہ نقش کاری کا بھی ماہر تھا اور کاریگر بھی بہت اچھا تھا۔ اُس کے مناظر، اُس کی شبیہیں اور بائبل کی کہانیاں بڑی بیش بہا ہیں۔

نوجوانی میں اور خاص کر بڑھاپے میں ریمبراں خود اپنی شبیہیں بھی بنایا کرتا تھا۔ چنانچہ کوئی باسٹھ ۶۲ ایسی تصویریں موجود ہیں۔ اُس نے اپنی ماں اور اپنی بیوی کی شبیہیں بھی تیار کی تھیں۔

۱۶۵۶ء میں ریمبراں دیوالیہ ہو گیا اور اُسے اپنی تصویروں کا ذخیرہ کوڑیوں کے مول بیچنا پڑا۔ اُس وقت سے مرتے دم تک وہ نہایت مفلس و نادار رہا اور ۴ اکتوبر ۱۶۶۹ء کو فوت ہو گیا۔

☆

"ایکس رے" کا موجد

رونتجن
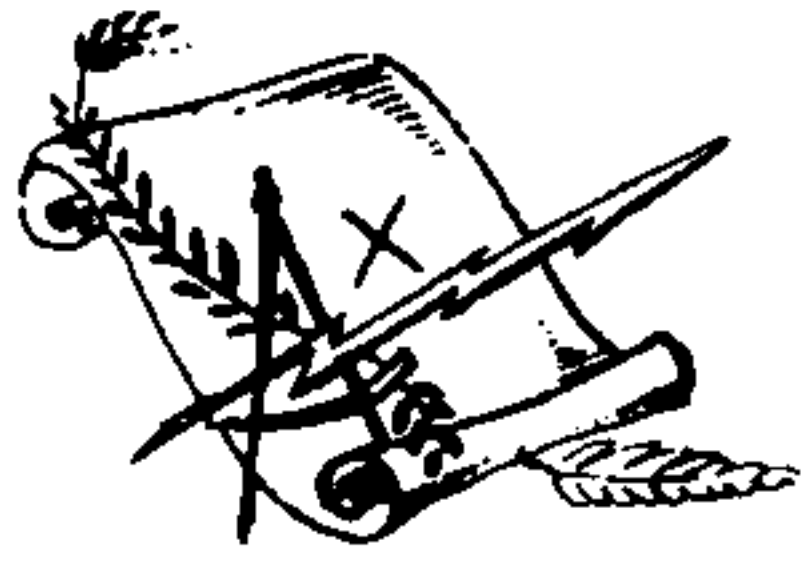
ولیم رونتجن نے ایکس رے کی شعاعوں کو صرف اتفاقی طور پر دریافت کر لیا تھا، لیکن اُس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ یہ کیا شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے ان شعاعوں کو X کا نام دیا (یعنی نامعلوم)۔ بہر حال ان کارآمد شعاعوں کو دریافت کرنے اور ان کو کارآمد بنانے کا سہرا اُسی کے سر ہے۔

رونتجن پروشیا (جرمنی) کا رہنے والا تھا۔ ۲۷ مارچ ۱۸۴۵ء کو لینپ میں پیدا ہُوا۔ ہالینڈ میں اور زیورچ کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ۱۸۷۵ء تک وہ خاصا مشہور ہو گیا اور "ہوہن ہیم" کی زراعتی اکادمی میں طبیعیات اور ریاضیات کا پروفیسر بنا دیا گیا۔ پھر سٹراس بورگ اور گیسن میں بھی پڑھاتا رہا اور آخر وُرزبرگ کی یونیورسٹی میں جم کر بیٹھ گیا۔ اسی جگہ اُس نے اپنی مشہور دریافت انجام دی۔

۱۸۹۵ء کا ذکر ہے ایک دن رونتجن شیشے کی ایک نلی میں سے جو سیاہ کاغذ میں پُوری طرح لپٹی ہُوئی تھی اور جس میں سے ہوا بالکل خارج کر دی گئی تھی، بجلی کی رَو گزار رہا تھا اگرچہ سیاہ کاغذ کی وجہ سے بجلی کی رَو سے کوئی روشنی نظر نہ آتی تھی، لیکن اُس نے دیکھا کہ جس وقت بجلی کی رَو نلی میں جاتی ہے پاس پڑے ہُوئے "بیریم پلاٹینو سائنائیڈ" کے ذرے چمک اُٹھتے ہیں۔ اُس نے نلی اور اُس کارڈ کے درمیان جس پر وہ ذرے پڑے تھے مختلف قسم کی اشیاء رکھ کر دیکھیں لیکن یہی معلوم ہُوا کہ ان اشیاء کا سایہ کارڈ پر پڑ رہا ہے۔ مزید تجربے کیے تو ثابت ہو گیا کہ شعاع ان مادوں سے گزر جاتی ہے جن میں سے معمولی روشنی نہیں گزر سکتی۔

آخر تمام اہل علم نے مان لیا کہ یہ دریافت ڈاکٹری کے لیے بے حد مفید رہے گی۔ امریکہ میں پہلی ہی آزمائش کے وقت ایک مریض کی ٹانگ میں بندوق کی گولی صاف نظر آ گئی۔ ان شعاعوں کا نام ایکس ریز رکھا گیا۔ اس کے بعد انگریز سائنس دان ہربرٹ جیکسن نے ایکس رے کی نلی کو مکمل کیا جو رونتجن کی نلی سے زیادہ کارآمد تھی اور آج تک وہی کام دے رہی ہے۔

رونتجن نے بجلی اور مقناطیس کے متعلق بہت سی مفید دریافتیں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں اُسے طبیعیات کا نوبل پرائز اور ۱۸۹۶ء میں رائل سوسائٹی کا "رمفرڈ تمغہ" دیا گیا۔ تاریخ وفات ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء ہے۔

انسان کو پرِ پرواز بخشنے والے

رائٹ برادران

اگرچہ رائٹ برادران میں سے ولبر رائٹ ۱۹۱۲ء میں فوت ہوگیا اور اس کا بھائی اورول چھتیس برس بعد ۱۹۴۸ء میں مرا۔ لیکن ان کی حیرت انگیز کامیابی نے دونوں کے ناموں کو ہمیشہ کے لیے یک جا کر دیا۔

ان کا باپ ایڈیٹر تھا اور بعد میں "یونائیٹڈ برِدرن چرچ" کا پادری بن گیا تھا۔ ولبر رائٹ ملویل (انڈیانا) کے مقام پر ۱۶ اپریل ۱۸۶۷ء کو اور اورول ڈیٹن (اوہائیو) میں ۱۹ اگست ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بھائی عمر بھر کنوارے ہی رہے۔ پہلے ڈیٹن میں بائیسکلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ لیکن بعد میں انھیں ایک جرمن انجینئر "اوٹو لیلی انتھل" کے ہوائی تجربوں سے بے حد دلچسپی پیدا ہوگئی اور پھر انھوں نے ہوابازی کو سچ مچ سائنس کی حیثیت سے حاصل کرنا شروع کر دیا چنانچہ انھوں نے ہوا کے دباؤ اور کھینچ تان کے اہم معاملات کے متعلق اپنی معلومات خود جمع کیں اور نیز ہوا کی ایک سُرنگ اس مقصد کے لیے استعمال کی۔ یہ سرنگ انھوں نے ۱۹۰۱ء میں خود تیار کی تھی۔

آخر انھوں نے ایک اُڑنے والا جہاز بنا لیا۔ جس کی طاقت چار سلنڈر بارہ ہارس پاور کے انجن سے حاصل کی گئی۔ اس کو پٹرول سے چلایا گیا۔ پائیلٹ سمیت مشین کا پورا وزن ساڑھے سات سو پونڈ تھا۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں وہ تجربوں کے لیے تیار ہوگئے کٹی ہاک کے مقام پر پہلا ہوائی جہاز اُڑا کر دکھایا اور انسان کے قدیم خواب کی تعبیر نکل آئی۔

رائٹ برادران پرواز تو کر چکے تھے لیکن انھیں ہوائی جہاز بنانے کے لیے کافی سرمایہ چاہیے تھا۔ اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یورپ کے لوگوں کو اپنی ہوابازی کے کمال دکھائیں۔ آخر انھوں نے یورپ میں تجربہ کر کے دکھایا۔ بادشاہ تک ان کی پرواز کو دیکھنے آئے۔ ہر جگہ بے حد جوش پھیل گیا اور جب وہ امریکہ واپس آئے تو حکومت نے ان سے تیس ہزار ڈالر میں ایک ہوائی جہاز خریدا۔ فوج نے ہوابازی کا ایک سکول کھولا جس میں اورول کو اُستاد مقرر کیا۔ اس موقع پر انھوں نے ہوائی جہاز بنانے کے لیے ایک "رائٹ کمپنی" بھی قائم کی۔

ولبر اور اورول ایسے پائلٹ تھے جنھوں نے پٹرول کی طاقت سے چلنے والے ہوائی جہاز کو چلایا۔

ایران کو از سرِ نو زندہ کرنے والا

رضا شاہ پہلوی

جس طرح مصطفےٰ کمال اتاترک نے ترکوں کی مُردہ قوم کی رگوں میں تازہ خون دوڑا دیا، اُسی طرح رضا شاہ پہلوی نے ایران کو غیر مُلکی سازشوں اور اندرُونی خرابیوں سے نجات دلا کر ایک دفعہ پھر آزاد اور معزّز مُلکوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔

رضا خاں ایران کے علاقہ سفید کوہ میں ایک فوجی افسر کے ہاں پیدا ہُوا۔ یہ ۱۸۷۷ء کا واقعہ ہے۔ معمولی ابتدائی تعلیم کے بعد فوجی تربیت حاصل کی اور کاسک ڈویژن کا ایک بڑا افسر بن گیا۔ ۱۹۱۷ء میں ہمدان سے تہران گیا اور کاسک ڈویژن کے کمان دار کرنل کلرجی کو استعفا دینے پر مجبور کر کے اس کی جگہ دُوسرا افسر مقرر کرا دیا۔ ایران میں بادشاہ کی کاہلی اور امیروں، وزیروں کی بدعنوانی کے باعث حالات خراب ہو رہے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں رضا خان نے اپنے چار ہزار وفادار سپاہیوں کی مدد سے تہران پر قبضہ کر لیا اور سپہ سالارِ افواج اور وزیرِ جنگ بن گیا۔ ۱۹۲۳ء میں وزیرِ اعظم مقرر ہُوا۔ بے شمار اصلاحات کیں اور امریکہ کے مالی مشن کی جو حکومتِ ایران نے اصلاحِ مالیات کے لیے مقرر کر رکھا تھا، دل سے امداد کی۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں سُلطان احمد شاہ قاچار ایران سے بھاگ گیا اور چند ماہ بعد "مجلس" نے رضا شاہ پہلوی کو ایران کا بادشاہ قرار دیا۔ ۲۵ اپریل ۱۹۲۶ء کو "گلستان" محل میں تاج پوشی ہُوئی۔

رضا شاہ پہلوی نے مغربی اصولوں پر فوج اور غیر فوجی محکموں کی تنظیم کی اور رات دن مصرُوف رہ کر مختلف پہلوؤں سے ایران کو ترقی دی۔ سڑکیں بنائیں، شہروں کی خوب صُورتی میں اضافہ کیا، حکومت کے تمام کارکنوں کو اپنی محنت اور جفاکشی کی مثال سے شبانہ روز محنت کا عادی بنایا۔ یہ بادشاہ چونکہ عوام میں سے تھا، اس لیے سادہ زندگی بسر کرتا تھا اور اپنے مُلک کو آزاد اور ترقی پذیر بنانے میں ہر قسم کی سختیاں جھیلتا تھا۔

اگست ۱۹۴۱ء میں جب یورپ میں دُوسری جنگِ عظیم برپا ہو چکی تھی، برطانیہ اور رُوس نے ایران میں اپنی فوجیں داخل کر دیں کہ مبادا جرمنی ایران پر قابو پا لے۔ رضا شاہ پہلوی ان فوجوں کے داخلے کا سخت مخالف تھا۔ چنانچہ حالات کو دُشوار پا کر وُہ تخت سے دست بردار ہو گیا اور اُس کا بیٹا محمد رضا پہلوی اُس کی جگہ بادشاہ بن گیا۔

دست برداری کے بعد رضا شاہ پہلوی جنوبی افریقہ کے مقام جوہانسبرگ بھیج دیا گیا اور وہیں ۲۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو اُس نے وفات پائی۔

☆

جو چار مرتبہ امریکہ کا
صدر منتخب ہُوا

فرینکلن ڈیلانو روزویلٹ

شاید زمانہ حاضر میں سب سے زیادہ طاقت ور سیاسی شخصیت روزویلٹ کی تھی جس نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر اپنے فلسفے کا اتنا گہرا نقش چھوڑا ہے جو آسانی سے محو نہیں ہو سکتا۔

فرینکلن روزویلٹ دولت مند والدین کا بچہ تھا۔ ۳۰ جنوری ۱۸۸۲ء کو نیویارک کے ہائیڈ پارک میں پیدا ہُوا۔ ہارورڈ اور کولمبیا کے مدرسہ قانون میں تعلیم پائی۔ نیویارک کی سٹیٹ اسمبلی کا ممبر ہُوا اور بحری فوج کا اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء تک اس نے بحری فوج میں اتنا اچھا کام کیا کہ ڈیموکریٹ پارٹی نے ۱۹۲۰ء میں اسے امریکہ کے نائب صدر کے عہدے کے لیے نامزد کر دیا، لیکن اتفاق کی بات کہ انتخاب میں ری پبلی کن پارٹی کو فتح حاصل ہو گئی۔

۱۹۲۱ء میں روزویلٹ پر فالج کا حملہ ہُوا، لیکن اس نے بڑی ہمّت سے اس کو برداشت کیا اور علاج معالجہ کے بعد تندرست ہو کر پھر سیاسیات میں مصروف ہو گیا۔ ۱۹۲۸ء میں اس کو نیویارک کا گورنر منتخب کیا گیا۔ اس نے اپنے پیش رو الفریڈ سمتھ کی طرح فراخدلی سے کام لے کر اصلاحی قانون منظور کرائے۔ پھر جب تجارت میں کساد بازاری حد سے بڑھ گئی تو لوگوں نے اس کو امریکہ کی صدارت کا امیدوار بنا دیا۔ جب مارچ ۱۹۳۳ء میں روزویلٹ نے کامیاب ہو کر امریکہ کی عنانِ صدارت اپنے ہاتھ میں لی تو ملک کی اقتصادی حالت بے حد خراب ہو رہی تھی۔

روزویلٹ نے نہایت ڈرامائی انداز سے پہلے تو قوم کو بتایا کہ اسے کسی قسم کے خوف یا اندیشے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اپنی صدارت کے پہلے "سو ایام" میں اس نے معاشری اور اقتصادی اصلاحات کا ایک ہمہ گیر پروگرام شروع کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ امریکی اداروں کو زمانے کی رفتار کے مطابق چلنا چاہیے۔ قدامت پسندوں کو روزویلٹ کے ترقی پسند پروگرام کے متعلق بدگمانی تھی لیکن حقیقت میں یہ پروگرام بنیادی طور پر قدامت پسندانہ ہی تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد صرف مُلک کو محفوظ رکھنا تھا۔ چنانچہ قوم نے اس کے پروگرام کی بے حد قدر کی اور اس کو پے در پے چار دفعہ صدر منتخب کیا، حالانکہ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہ تھی۔

امریکہ کی عدالتِ عالیہ نے بعض قوانین کو ناجائز قرار دیا اور روزویلٹ اس پر بہت پریشان ہُوا۔ لیکن جب نئے جج مقرر ہو گئے تو روزویلٹ کو تائید و حمایت حاصل ہو گئی۔

دُوسری جنگِ عظیم میں روزویلٹ نے نہایت دلیرانہ رویّہ اختیار کیا اور اس میں اسے کامیابی حاصل ہُوئی، لیکن دن رات کی محنت سے اس کی صحت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ جنگ کی آخری فتح کی خبر سُننے سے پہلے ہی ۱۲ اپریل ۱۹۴۵ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

پارسیوں کا پیغمبر

زردشت

زردشت ایران کا رہنے والا تھا۔ ہخامنشیوں کے زمانے سے لے کر ساسانی عہد کے اواخر تک زردشتیت ایران کا قومی مذہب رہا، تاآنکہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اب زردشت کے ماننے والوں کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔

"اوستا" کے مطابق ایریانیم وائجو کے مقام پر، جو دریائے داریجا کے کنارے واقع ہے، زردشت پیدا ہوا۔ شہرستانی لکھتا ہے کہ اُس کی والدہ "رے" کی رہنے والی تھی۔ "ارداویراف" میں لکھا ہے کہ زردشت سکندر کے حملے سے تین سو برس پہلے گزرا ہے، لیکن اتنے بڑے مذہبی پیشوا کی سکونت اور اُس کی ولادت کا کوئی حال قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ اندازہ ہے کہ وہ ۶۰۰ تا ۱۰۰۰ برس قبل مسیح میں گزرا۔

زردشت کا مذہب کئی پہلوؤں سے آریوں کے پرانے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی اور ایرانی دونوں آریائی نسل سے ہیں۔ اگرچہ زردشتی مذہب میں بھی "دیو" اور "دیوتا" موجود ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زردشت ایک خدا کا قائل تھا جس کو آہورمزدا کہتا تھا۔ "گاتھا" کی تحریر کے مطابق نیکی اور بدی کے دو خدا ہیں۔ ایک مزدا، دوسرا اہرمن اور ان دونوں کے اوپر آہورمزدا ہے، جو مالکِ کل ہے۔

انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک دُنیاوی اور دوسرا موت کے بعد۔ جو اس دُنیا میں نیکی کرے گا، وہ آخرت میں پھل پائے گا۔ جو بدی کرے گا، وہ بُری حالت میں رہے گا۔ یعنی عذاب و ثواب اور ایمان بالآخرت زردشت کا مذہب ہے اور وہ بہشت و دوزخ کا قائل ہے۔ اُس کا عقیدہ ہے کہ آہورمزدا دُنیا والوں کی نیکیوں کی وجہ سے ایک دن اتنا طاقت ور ہو جائے گا کہ بدی کے خدا کو شکست دے کر نابود کر دے گا، اس لیے جو نیکی کرتا ہے وہ آہورمزدا کی مدد کرتا ہے اور جو بدی کرتا ہے وہ اہرمن (شیطان) کو تقویت پہنچاتا ہے۔ "گاتھا" میں شروع سے لے کر آخر تک یہی اُمید ظاہر کی گئی ہے کہ موجودہ دُنیا کا خاتمہ قریب ہے اور ہر شخص کو بدی کی شکست کا منتظر رہنا چاہیے۔

زردشت کے حالات اور خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر تھا۔ لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتا تھا۔ بُرائی سے نفرت دلاتا تھا۔ آتش پرستی وغیرہ کے عقیدے اس کے مذہب میں بعد کے لوگوں نے شامل کر لیے ہیں، وہ حقیقتاً موحد تھا اور کسی قسم کے شرک کا روادار نہ تھا۔

☆

حکمت اور دانائی کا پیکر

سُقراط

سُقراط سوالات کرنے اور سوالات کا جواب دینے میں بہت ذہین و طباع تھا۔ افسوس یہ ہے کہ اُس نے کوئی لکھی ہُوئی تصنیف نہیں چھوڑی جس سے اس کے علم کا اندازہ کیا جاسکے۔ ہمیں اُس کے متعلق جو کچھ معلوم ہے وُہ اُس کے دو شاگردوں کے طفیل سے ہے۔ ایک زینوفن یعنی وہ جرنیل جس نے مشہور کتاب "اناباسس" لکھی اور دُوسرا افلاطون جس نے فلسفیانہ مکالمات لکھے اور اُن میں صرف سُقراط کے اقوال نقل کیے، اپنا کوئی قول نہیں لکھا۔ زینوفن کو تو غالباً ایک خالص فکری ذہن کے خلاف وُہی تعصّب تھا جو فوجیوں کو ہُوا کرتا ہے، حالانکہ سُقراط خُود ایتھنز کے ایک سپاہی کی حیثیت سے نام پیدا کر چکا تھا اور افلاطون کی کیفیت یہ ہے کہ شاید اُس نے اپنے بُوڑھے اُستاد کے مُنہ میں خُود اپنے الفاظ ڈال دیے ہیں۔

سُقراط ۴۶۹ قبل مسیح کے قریب ایتھنز میں پیدا ہُوا۔ اُس کا باپ سنگتراش تھا اور ماں دائی تھی۔ اُنھوں نے بیٹے کو علمِ ہندسہ، فلکیات، موسیقی اور پہلوانی کی تعلیم دلائی۔ یُونان میں انہی عُلوم کا رواج تھا۔ سُقراط کی نوجوانی کے زمانے میں ایتھنز میں بہت سے سوفسطائی فلسفی موجود تھے۔ سُقراط اُن سے اکثر مُلاقاتیں کرتا اور برابر سوالات پُوچھتا۔ اس طرح اُس نے اپنے علم میں بہت اضافہ کر لیا۔

فوجی خدمت کے زمانے میں صرف یہی ثابت نہیں ہُوا کہ سُقراط بہت بہادُر تھا بلکہ وُہ موسم کی خرابی اور تکان کی بھی بالکل پروا نہ کرتا تھا۔ اِس کے بعد سُقراط نے علم و حکمت کی طرف توجّہ کی، لیکن اُس کی زندگی بے حد سادہ تھی۔ اُسے آرام و آسائش کے سامانوں سے نفرت تھی۔ وُہ صرف ایک کپڑا پہنتا اور موٹا جھوٹا کھانا کھاتا۔ زینوفن لکھتا ہے کہ اُس کی بیوی نہایت تُند مزاج اور لڑاکا عورت تھی، لیکن سُقراط اپنے آپ کو ضبط و صبر سکھانے کے لیے اُس عورت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ اُس کے تمام دوست لکھتے ہیں کہ سُقراط خُود بدشکل انسان تھا۔

سُقراط کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ علم پھیلایا جائے۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ علم ہی سے اخلاقی کردار پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا اصُول یہ تھا "نیکی علم ہے، بدی جہالت ہے"۔ اُس کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ گفتگو کرو، سوالات کرو، جواب دو اور جواب لو اور بار بار بحث مُباحثہ کرو، تا آنکہ مسئلے کے تمام گوشے سامنے آجائیں۔

۳۹۹ قبل مسیح میں ایتھنز کے حُکام نے سُقراط کے خلاف یہ الزام لگائے کہ وُہ پُرانے دیوتاؤں کی پروا نہیں کرتا، نئے دیوتاؤں کا تعارُف کرا رہا ہے اور نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کر رہا ہے۔ چند ووٹوں کی کثرت سے وُہ مجرم قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وُہ زہر کا پیالہ پی لے۔ سُقراط نے اپنی زندگی کا آخری دن اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کرنے میں گزارا اور شام کو نہایت سکُون و وقار کے ساتھ زہر کا پیالہ پی کر جان دے دی۔

دُنیائے قدیم کا بہت بڑا فاتح

سکندرِ اعظم

تاریخِ عالم میں بڑے بڑے بہادر اور مشہور سپاہی گزرے ہیں لیکن فوجی کارناموں میں سکندر فرماں روائے مقدونیہ کا کوئی مُقابلہ نہیں کر سکتا۔

وُہ ۳۵۶ ق م میں پیدا ہُوا۔ ابھی اٹھارہ سال کا تھا کہ شیرونیہ کی جنگ میں اُس کے باپ فلپ ثانی نے بیٹے کو اپنے رسالے کا کمان دار مقرر کر دیا۔ سکندر نے اِس رسالے کی مدد سے غنیم پر ایسے جرأت مندانہ حملے کیے کہ آخر فلپ ثانی کو اِس جنگ میں فتح حاصل ہو گئی۔ یہ ۳۳۸ قبل مسیح کا واقعہ ہے۔

اِس جنگ کے دو سال بعد فلپ ثانی کا انتقال ہو گیا اور سکندر تخت پر بیٹھا۔ مقدونیہ یونان کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ آس پاس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ملک مقدونیہ کے دُشمن تھے۔ سکندر نے سب سے پہلے تو اُن کو زیر کیا اور ۳۳۴ قبل مسیح میں ایران پر حملہ کرنے کا عزم کر لیا جو یونان کا ہمیشہ سے دُشمن چلا آتا تھا۔

موسمِ بہار کے شروع میں سکندر تیس ہزار پیادہ اور پانچ ہزار سوار فوج لے کر ایشیا کی طرف بڑھا اور اُس مُلک میں داخل ہو گیا جس کو آج کل ترکی کہتے ہیں۔ مئی کے مہینے میں اُس نے دریائے گرے نیکس کے کنارے پر ایرانی فوج کو شکست دے دی۔ پھر مشرق اور جنوب کا رُخ کر کے شام کے پُورے ساحل پر قبضہ کر لیا اور ایران کی بحری طاقت کا

خاتمہ کر دیا۔ مصر نے جنگ کیے بغیر ہی اطاعت قبول کر لی۔

اِس کے بعد سات سال تک سکندر لڑتا بھڑتا مشرق کی طرف بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ ایران میں سے گُزر کر ہندوستان میں داخل ہو گیا۔ یہاں دریائے جہلم کے کنارے پورس سے اُس کی لڑائی ہُوئی، جس نے سکندر کا جرأت اور بہادری سے مُقابلہ کیا، مگر سکندر کی چال کامیاب رہی اور پورس کو شکست ہُوئی۔ سکندر سارے برِ عظیم کو فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا، مگر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وُہ بلوچستان کے راستے عراق کے شہر بابل میں پہنچا۔ یہاں وُہ بیمار ہُوا اور دُنیا کو فتح کرنے کی حسرت دل میں لیے تینتیس برس کی عمر میں ۳۲۳ ق م میں مر گیا۔

سکندر کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جن مُلکوں کو فتح کرتا ان کے باشندوں کو مخلوط کر دیتا۔ اِس طرح جن مُلکوں میں اُس نے یونانی تہذیب پھیلائی، وُہ صدیوں اُس سے متاثر رہے۔

سکندر اپنے زمانے کے رواج کے مطابق خود فوج کی اگلی صفوں میں لڑتا تھا۔ کئی دفعہ زخمی بھی ہُوا۔ وُہ نہایت بہادر آدمی تھا۔

مشرق کا جلیل القدر
معلم اخلاق

مصلح الدین شیخ سعدیؒ شیرازی

گلستان، بوستان کے نام کس نے نہیں سنے؟ جہاں جہاں فارسی زبان سمجھی جاتی ہے، یہ کتابیں ہر بچے کو پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا پڑھنے والا نصیحت بھری کہانیوں سے بھی فیض یاب ہوتا ہے اور فارسی ادب و انشا کے ذوق سے بھی بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

یہ کتابیں شیخ سعدیؒ کی لکھی ہوئی ہیں۔ آج سے آٹھ سو برس پہلے ایران کے شہر شیراز میں ایک ذی علم خاندان کے لوگ رہتے تھے۔ اس خاندان میں ۱۱۸۴ء کے قریب ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام مشرف الدین رکھا گیا لیکن پھر اپنے باپ کے نام پر مصلح الدین کہلایا اور سعدی تخلص اختیار کیا، کیونکہ شیراز کے حکمران سعد بن زنگی اس خاندان کا سرپرست تھا۔

مصلح الدین سعدیؒ نے پہلے شیراز میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر بغداد میں تحصیل علوم کرتے رہے، جہاں اُن دنوں بڑے بڑے مشہور عالم جمع تھے۔ اس کے بعد حج کیا، بعض ملکوں کی سیاحت کی۔ فلسطین کے صحرا میں ایک مرتبہ سعدیؒ کو عیسائی پکڑ کر لے گئے اور انھیں عام مزدوروں کی طرح خندق کھودنے پر لگا دیا۔ شام کا ایک رئیس ادھر سے گزرا، جو اُن کو جانتا تھا۔ اُس نے دس دینار دے کر سعدی کو چھڑایا اور گھر لے گیا۔ اس رئیس نے اپنی لڑکی کی شادی شیخ سے کر دی۔

جس زمانے میں ہلاکو نے بغداد پر حملہ کر کے خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ کیا، اُس وقت شیخ سعدیؒ بغداد کے آس پاس تھے۔ انھوں نے خلافت عباسی کی اس تباہی پر نہایت دردناک مرثیہ لکھا۔ ہلاکو کے وزیر خواجہ شمس الدین اور خواجہ علاؤالدین شیخ سعدیؒ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ تبریز میں ہلاکو کے بیٹے کی سواری جا رہی تھی کہ شیخ سعدیؒ سامنے نظر آئے۔ دونوں مسلمان وزیروں نے بے حد احترام کیا اور خان سے تعارف کرایا کہ یہ ہمارے بزرگ ہیں۔ خان نے شیخ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجیے۔ چنانچہ شیخ نے ایسی نصیحتیں کیں کہ ہلاکو خان کا بیٹا اشکبار ہو گیا۔

سعد بن زنگی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابوبکر بن سعد زنگی شیراز کا بادشاہ بنا۔ اُس وقت شیخ سعدیؒ واپس اپنے وطن میں آئے۔ آخری عمر میں شیراز سے باہر ایک علیحدہ سے مکان میں رہتے تھے۔ ایک سو سال سے بھی زیادہ عمر پا کر ۱۲۹۲ء میں انتقال کیا۔

پاک و ہند کے مسلمانوں کا دُور اندیش رہنما

سیّد احمد خاں

سیّد احمد خاں مسلمانوں کے وُہ رہنما ہیں، جنھوں نے مُغل سلطنت کے خاتمے کے بعد مسلمانانِ ہند کو ترقی و خوش حالی کا راستہ دِکھایا، اُن کو مغربی علوم حاصل کرنے پر آمادہ کیا اور اوہام پرستی اور ضعیف الاعتقادی سے نجات دِلائی۔

اُن کے بُزرگ مُغل بادشاہوں کے درباروں میں اُونچے عُہدوں پر مُمتاز تھے۔ اُن کے والد سیّد مُتقی نہایت آزاد طبیعت آدمی تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے ساتھ لڑکپن سے دوستی تھی، اِس لیے دربار سے کُچھ وظیفہ بِل جاتا تھا۔ نوکری چاکری سے طبیعت نفور تھی۔ سیّد احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہُوئے۔ اُن کے والد حضرت شاہ غلام علی مجدّدی کے مُرید اور نانا خواجہ فریدُالدّین احمد بہت بڑے عالم تھے۔ والدہ تربیتِ اولاد کی بڑی ماہر تھیں، چُنانچہ سیّد احمد خاں کی تعلیم و تربیت نہایت اچھے ہاتھوں میں ہُوئی۔

بائیس برس کی عُمر تھی کہ والد کا انتقال ہوگیا، لہٰذا جو رہی سہی آمدنی تھی، وُہ بھی ختم ہوگئی۔ چُنانچہ انگریزوں کی نوکری پر مجبُور ہوگئے۔ پہلے صدر امین کی کچہری میں سر رشتہ دار ہُوئے، پھر رفتہ رفتہ مُنصف بن گئے۔ بجنور میں جج تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے شعلے بلند ہُوئے۔ وہاں سے میرٹھ پُہنچے تو معلُوم ہُوا کہ دِلی میں ان کا گھر بار لُٹ گیا اور بعض اعزہ مارے جاچکے ہیں۔ والدہ اور خالہ ایک کوٹھڑی میں بند تھیں، اُن کو نکال کر میرٹھ لائے۔

جنگِ آزادی ناکام ہوچکی تھی۔ مُسلمان سخت خراب حال اور تباہ ہو رہے تھے۔ سیّد احمد خاں اِس صُورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ آخر اسی نتیجے پر پُہنچے کہ مُسلمانوں کو انگریزی زبان اور مغربی تعلیم کی طرف مائل کرنا چاہیئے تاکہ وُہ آہستہ آہستہ اِس مُلک میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔

۱۸۷۵ء میں سیّد احمد خاں نے علی گڑھ میں کالج قائم کیا، جو رفتہ رفتہ یُونیورسٹی کے درجے تک پُہنچ چکا ہے۔ اِس کالج میں ہندوستان کے دُور دراز حصّوں سے مُسلمان طلبا آکر داخل ہوتے اور فارغ ہوکر بڑے بڑے عُہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ اِس کام کے ساتھ ہی ساتھ سیّد احمد نے بے شُمار کتابیں لکھیں۔ "آثارُالصنادید" میں دِہلی کی تاریخی عمارتوں کا حال لکھا۔ ابوالفضل کی مشہُور کتاب "آئینِ اکبری" کو صاف کیا اور چھپوایا۔ قرآن مجید کی تفسیر اور سیرتِ نبوی پر خُطبات لکھے اور اس کے علاوہ بے شُمار رسالے اور مضامین لکھے۔ ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی اور مشہُور رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ سیّد احمد خاں کے خلُوص کی وجہ سے ان کاموں کے لیے لاکھوں رُوپیہ بطور چندہ جمع ہوگیا اور مُلک کے مُختلف حصّوں میں مُسلمانوں کے تعلیمی ادارے کام کرنے لگے۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو سیّد احمد خاں کا انتقال ہوگیا۔ آج ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں مُسلمان مانتے ہیں کہ سیّد احمد خاں اُن کی ملّت کے نہایت ہوش مند، محتاط اور دُور بین رہنما تھے۔

شارلمین

جس شخص نے بارہ مختلف قوموں کے خلاف ۵۳ لڑائیاں لڑی ہوں اُس کی ناموری کے لیے اُس کے فوجی کارنامے ہی کافی ہیں لیکن شارلمین کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ وُہ ایک بہادر سپاہی اور بہت بڑا سیاست دان تھا جس نے مغربی رومن قلمرو کو سیاسی طور پر متحد رکھا۔ اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے دینی و دُنیاوی علوم کی خدمت کر کے یورپ کی رگوں میں تہذیب کا خون دوڑائے رکھا اور بالآخر اسی خون میں احیائے علوم کی تحریک نے نئی رُوح پھونکی۔

شارلمین ۷۴۲ء یا ۷۴۳ء میں ۲ اپریل کو پیدا ہوا اور ۷۶۸ء میں اپنے بھائی کارلومن کے شریک کی حیثیت سے فرانسیسیو کا حکمران بنا اور جب کارلومن ۷۷۱ء میں وفات پا گیا تو شارلمین بلاشرکت غیرے بادشاہ بن گیا اور ۴۶ سال تک حکومت کرتا رہا۔

اُس کی فوجیں اس قدر طاقت ور اور اُس کی فوجی قابلیت اس قدر مانی ہوئی تھی کہ اُس کے مخالف شاذو نادر ہی میدانِ جنگ میں اس کا مقابلہ کرتے تھے۔ سیکسن لوگ اُس کے جانی دشمن تھے۔ وُہ تینتیس برس تک اُن کی طرف سے برابر اندیشہ مند رہا لیکن صرف دو لڑائیوں میں اُنھوں نے اُس کا حقیقی مقابلہ کرنے کی جرأت کی۔

۷۷۳ء کا ذکر ہے کہ پوپ ایڈرین اوّل نے شارلمین سے استدعا کی کہ ہم پر لومبارڈی کے بادشاہ نے حملہ کر دیا ہے اس لیے آپ ہماری امداد کیجیے۔ شارلمین امداد کو پہنچا اور اس قدر پُرزور حملے کیے کہ اٹلی کے بڑے حصّے کو فتح کر کے ۷۷۶ء میں وہاں خود مختار بادشاہی قائم کر دی۔ پانچ سال بعد پوپ نے اُس کے بیٹے پیپن ہی کو وہاں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس درمیانی مدت میں شارلمین شمالی ہسپانیہ کے عربوں کے خلاف معرکہ آرا ہوا، لیکن یہاں اُس کو کامیابی نہ ہوئی اور رونسے وا کی مشہور لڑائی میں اُس کی فوج کا عقبی حصّہ نابود ہو گیا اور یہیں رولاں مارا گیا اور اس کی داستان بن گئی۔

۸۰۰ء میں کرسمس کے دن نامقبول پوپ لیو ثالث کی معزولی کے بعد شارلمین کو نئے پوپ نے سلطنتِ رومہ (مغربی) کی شہنشاہی کا تاج پہنایا۔ چند سال بعد اُس نے قسطنطنیہ کے ساتھ مصالحت کر لی۔ غرض زندگی کے آخری حصّے میں صرف شمال میں ڈنمارک کے لوگ ہی باقی رہ گئے جن سے اُس کی سلطنت کو خطرہ ہو سکتا تھا۔

اگرچہ شارلمین کا دربار عیش و عشرت کا مرکز تھا تاہم وُہ عیسائیت کا بڑا حامی تھا اور علوم و فنون کی سرپرستی اُس کا شعار تھی۔ شارلمین کی تاریخ وفات ۲۸ جنوری ۸۱۴ء ہے۔

رفاہِ عامّہ کا علَم بردار

شیر شاہ سُوری

مُغل بادشاہ ہمایُوں کو شکست دے کر ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے والا طالع آزما، حُسنِ انتظام اور عدل و انصاف کے اعتبار سے بہترین بادشاہ، تعلیم یافتہ، روشن خیال اور رحم دل انسان۔

مُغلوں کے زمانے سے پہلے بہلول لودھی کے عہد (۱۴۸۸ء) میں پیدا ہُوا، سہسرام میں لڑکپن بسر کیا، سیانا ہُوا تو باپ کی جاگیر کا بہترین انتظام کیا، لیکن سوتیلی ماں کی سختیوں سے گھبرا کر گھر چھوڑ کر آگرہ چلا گیا۔ اس کا اصلی نام فرید خان تھا۔ جب ابراہیم لودھی مارا گیا اور بابر بادشاہ ہو گیا تو پُورب کے افغان مُغلوں سے لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ فرید خان نے اس زمانے میں ایک شیر مار کر شیر خاں کا خطاب حاصل کیا۔ اس کے بعد مُغلوں کی بڑھتی ہُوئی طاقت کی وجہ سے شیر خاں اور دُوسرے افغان سرداروں نے بابر کی اطاعت قبول کر لی۔

ہمایُوں بادشاہ ہُوا تو شیر خاں نے اُس کی اُلجھنوں سے فائدہ اُٹھا کر بنگال اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ چوسہ اور قنوج کے قریب لڑائیاں ہُوئیں، ہمایُوں مُقابلے کی تاب نہ لا سکا اور پنجاب اور سندھ ہوتا ہُوا ایران چلا گیا اور شیر خاں، شیر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ یہ ۱۵۴۰ء کا واقعہ ہے۔

یُوں تو شیر شاہ کی یہی خُوبی حیرت انگیز ہے کہ اُس نے معمُولی حیثیت سے اُٹھ کر صرف اپنی قابلیت اور بہادری سے ہندوستان کی بادشاہی حاصل کر لی لیکن اس کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ بادشاہ بننے کے بعد اُس نے مُلک کا انتظام نہایت اچھا کیا۔ رعایا خُوشحال ہو گئی۔ تجارت ترقی کرنے لگی۔ راستے پُرامن ہو گئے۔ فوج اور مالگزاری کا ایسا نظام قائم کیا، جو آج تک برقرار ہے۔ بڑی بڑی سڑکیں بنائیں جن میں سب سے بڑی وہ سڑک ہے جو بنگال سے صُوبہ سرحد تک جاتی تھی۔ یہ سڑک آج تک موجود ہے اور گرینڈ ٹرنک روڈ کہلاتی ہے۔ مُسافروں کے آرام کے لیے سرائیں بنوائیں۔ کنوئیں کھُدوائے، مندر اور مسجدیں بنوائیں اور جابجا ڈاک کی چوکیاں قائم کیں۔

کالنجر کے راجا سے لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک دن بارُود کے انبار میں ایک گولہ گر کر پھٹا، جس سے شیر شاہ بہت بُری طرح زخمی ہو گیا، لیکن اس حالت میں بھی اپنے افسروں کو تاکید کرتا رہا کہ کالنجر کا قلعہ ضرور فتح ہو۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ شیر شاہ نے اسی حالت میں اللہ کا شکر ادا کیا اور دُوسرے دن فوت ہو گیا (۱۵۴۵ء)۔ اُس کی میّت سہسرام لے جا کر دفن کی گئی۔

شیر شاہ نے صرف پانچ سال حکومت کی لیکن اپنی خُوبیوں کی وجہ سے تاریخ میں نام چھوڑ گیا۔

دُنیا کا سب سے بڑا ڈراما نگار

شیکسپیئر

ڈراما نگاری میں آج تک ولیم شیکسپیئر کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہُوا۔ وُہ اپنی حیات میں کافی مشہور ہو چُکا تھا۔ پھر بھی حیرت ہے کہ اُس کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے متعلق رنگا رنگ کی خیال آرائیاں ہُوئیں۔ بلکہ بعض لوگوں کی تو یہ رائے ہے کہ شیکسپیئر محض فرضی شخصیت ہے۔ ڈرامے دراصل بیکن کے لکھے ہُوئے ہیں، لیکن تحریری شہادتوں سے اتنا تو ثابت ہو چُکا ہے کہ شیکسپیئر ۲۳ اپریل ۱۵۶۴ء کے قریب سٹریٹفورڈ (بر۔ ایون) میں پیدا ہُوا۔ اٹھارہ برس کی عُمر میں اُس کی شادی این ہیتھوے سے ہُوئی۔ تین بچّے پیدا ہوئے۔ ۱۶۱۶ء میں اپنی سالگرہ کے دِن مرا اور اُس نے ایک وصیت نامہ بھی لکھا تھا۔

غالباً وُہ تھوڑی مُدت کے لیے سٹریٹ فورڈ کے گرامر اسکول میں پڑھتا رہا اور اُس کے بعد شاید ایک قصائی کی دُکان پر کام کرنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سر ٹامس لُوسی کی اراضی میں اُس نے کچھ خلافِ قانون حرکتیں کیں اور شاید اِسی وجہ سے وُہ لندن چلا گیا۔ وہاں پُہنچ کر اُس نے پہلے پہل کیا شغل اختیار کیا، یہ کوئی نہیں جانتا۔ بعد میں وہ تھیٹر میں ایکٹر اور ڈراما نگار بن گیا۔ ۱۵۹۴ء تک وُہ اس کمپنی کا ایک ممتاز رُکن تھا جس نے ملکۂ الزبتھ کے دربار میں کھیل دکھائے لیکن شیکسپیئر میں ایکٹر بننے کی صلاحیت نہ تھی، البتہ ڈراما لکھنے میں کمال رکھتا تھا۔ وُہ پُرانے قصّوں کو نئے سرے سے لکھتا، اُن میں دلچسپ کرداروں کا اضافہ کرتا اور دانائی کی باتوں کو ایسی نفیس اور شاعرانہ زبان میں لکھتا جو اُسی کا حصّہ ہے۔

ڈراموں سے الگ شیکسپیئر نے جو بعض نظمیں لکھی ہیں، مثلاً "وینس اور ایڈونس" اور "ریپ آف لُکریشیا"، ان میں بھی اسی قسم کی قوّتِ بیان اور ویسا ہی تخیّل موجُود ہے، جو اُس کے ڈراموں کی جان ہے۔ اُس کے مشہور "سانیٹ"، بجائے خُود آبدار موتی ہیں لیکن اُن میں شیکسپیئر کی زندگی کے بعض واقعات کے متعلق اشارے بھی موجُود ہیں۔

بین جانسن اور اُس کے دُوسرے دوستوں کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ شیکسپیئر خود دار اور متحمل مزاج تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ عام ہوٹلوں میں بیٹھ کر اپنے دوستوں سے گپیں ہانکنا اُسے بہت پسند تھا۔

☆

عظیم الشان عمارتیں بنانے والا بادشاہ

شاہجہاں

جہانگیر کا تیسرا بیٹا، راجپوت رانی جگت گوسائیں کا لختِ جگر، اپنے تدبّر اور اسلامیت کے علاوہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے کے لیے مشہور ہے۔

شہزادگی کے زمانے میں شاہجہاں کا نام خُرم تھا۔ ۵ جنوری ۱۵۹۲ء کو پیدا ہوا۔ اُس کا دادا اکبر ابھی زندہ تھا اور اپنے پوتے کو سب شہزادوں سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ شاہ جہاں نے دوسرے شہزادوں کی طرح علوم اور فنونِ سپہ گری کی تعلیم پائی۔ وہ شہزادوں کی طرح عیش و عشرت کا دلدادہ نہ تھا، بلکہ بڑے پسندیدہ کردار کا مالک تھا۔ باپ کی زندگی میں خدمت اور استعداد کی وجہ سے بڑے بڑے منصب پائے۔ اپریل ۱۶۱۲ء میں ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل) سے شادی ہوئی، جو امیرالاُمراء آصف خاں کی بیٹی تھی۔ تخت نشین ہوتے ہی شاہجہاں نے شریعتِ اسلامی اختیار کی اور بہت سی بدعات کا سدّ باب کیا۔ نظم اُمور میں دن رات مصروف رہتا اور بہت کم آرام کرتا۔

بندیلوں کی سرکشی اور خان جہاں لودھی کی بغاوت کی سرکوبی کی۔ دکن اور گجرات میں قحط پڑا تو لاکھوں روپے لوگوں کی امداد پر صرف کر دیے۔ دکن کو فتح کیا، قندھار پر قبضہ کیا، غرض سلطنت کی توسیع اور حسنِ انتظام پر خاص توجّہ کی۔

شاہجہاں حسن کا دلدادہ تھا "تختِ طاؤس" بنوایا جس کے لیے لاکھوں روپے کے لعل، ہیرے، زمرد اور دوسرے قیمتی پتھر اور بے اندازہ سونا صرف کیا۔ اس تخت کی تیاری میں سات سال لگے اور ایک کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ قلعہ آگرہ میں مثمن برج اور موتی مسجد تعمیر کرائی۔ دہلی کا لال قلعہ اور نئی شہر پناہ اور جامع مسجد اسی کی بنائی ہوئی ہے، جو عظمت اور خوبصورتی کے اعتبار سے ہندوستان بھر میں بے نظیر ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزاروں پر شاندار گنبد بنائے اور سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ممتاز محل کا مقبرہ "تاج" آگرہ میں تعمیر کرایا، جو بائیس سال میں مکمل ہوا اور اس پر تین کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ یہ عمارت اپنے حُسن و جمال اور اپنی عظمت کے اعتبار سے دُنیا بھر کی عمارتوں میں بے نظیر ہے۔

شاہجہاں نے اپنی مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے تمام انتظامات بہتر بنیادوں پر قائم کیے۔ عالموں، شاعروں اور مصوروں کی دل کھول کر سرپرستی کی اور اکبر اور جہانگیر کی علم دوستی کی روایات کو زندہ رکھا۔ آخر میں بیمار ہوگیا اور سلطنت کے کام کے قابل نہ رہا۔ چنانچہ اس کے قابل ترین لڑکے اورنگ زیب نے سلطنت سنبھال لی۔

۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء کو چوہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

انگریزی زبان کا عظیم نقاد، طنز نگار اور ڈراما نگار
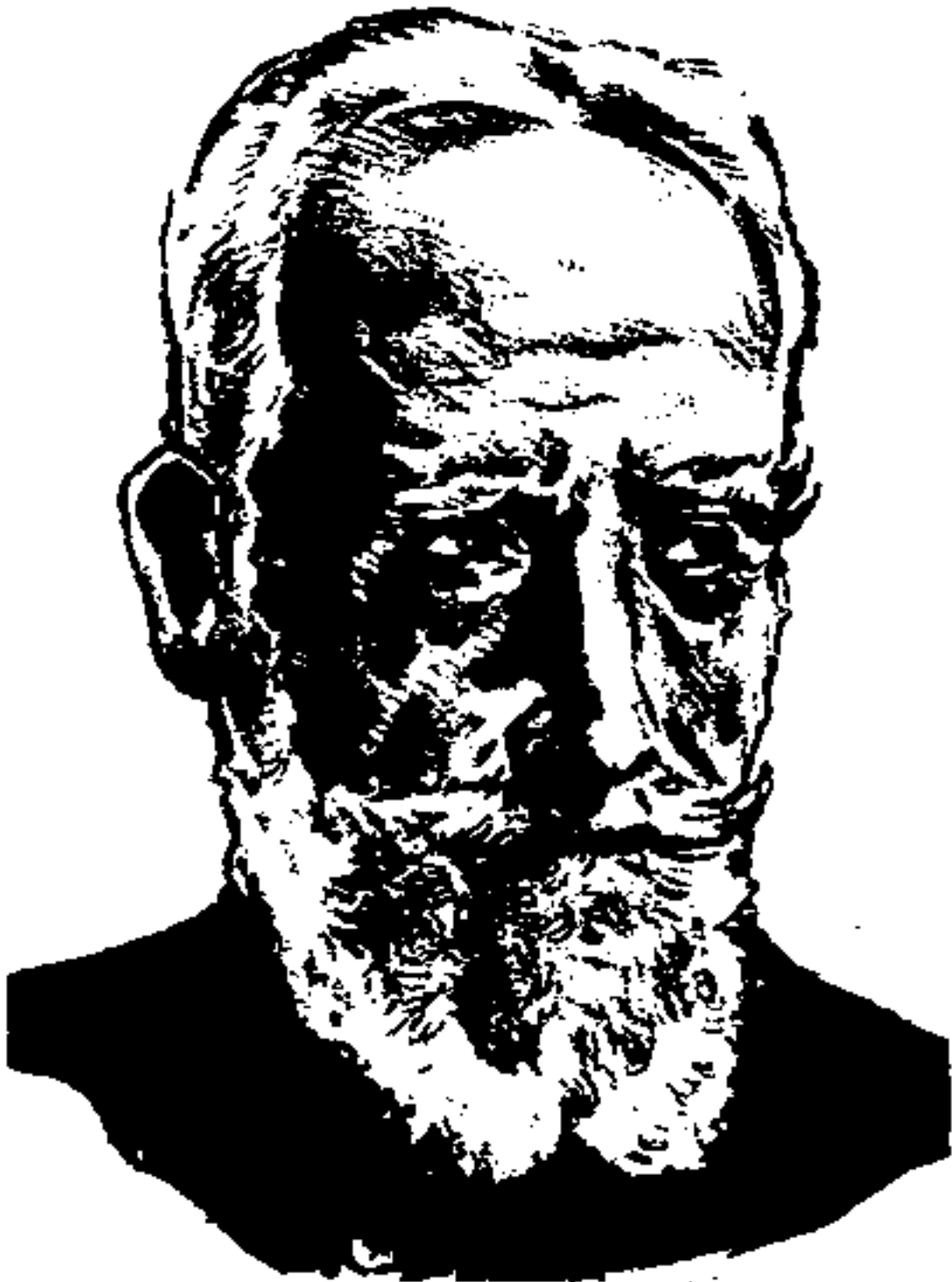
جارج برنارڈ شا

ڈراما نگار اور نقاد کی حیثیت سے جارج برنرڈ شا کے کمال میں کسی کو شبہ نہیں لیکن انگریزی بولنے والی دنیا میں اُس کو جو بلند ترین مرتبہ حاصل ہے، اس کے اسباب کچھ اور بھی ہیں۔ اس کے چند الفاظ بھی مل جاتے تھے تو اخبار اُن کو آنکھوں پر رکھتے تھے اور بڑی عزت سے چھاپتے تھے۔ اُس کی شخصیت میں ایک خاص کشش تھی۔ شاید اس لیے کہ مختلف مسائل کے متعلق اس کے چبھتے ہوئے آزادانہ اور بے تکلفانہ فقرے اُسی کی ذات سے مخصوص تھے اور کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ فلاں معاملے کے متعلق برنرڈ شا کیا کہے گا۔

لیکن اس اُونچے مرتبے پر پہنچنے میں شا کو بڑی دیر لگی۔ وُہ ڈبلن کے ایک غریب لیکن شریف خاندان سے تھا۔ ۲۶ جولائی ۱۸۵۶ء کو پیدا ہُوا۔ موسیقی اور ڈراما کا ذوق اُسے اپنی والدہ سے ملا۔ بیس سال کی عُمر میں اُس نے ادیب بننے کا فیصلہ کیا اور لندن پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے نو سال انتہائی ناداری میں بسر کیے۔ اس نو سال کی مدت میں اُس کو ادبیات سے صرف چھ پاؤنڈ آمدنی ہُوئی۔ اُس نے ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۳ء کے درمیان پانچ ناول لکھے، لیکن وُہ مدت تک شائع نہ ہو سکے اور آخر ایک اشتراکی رسالے میں چھپے۔ پھر جب اُس نے کارل مارکس کی کتاب "کیپٹل" پڑھی تو اشتراکی بن گیا۔ ۱۸۸۴ء میں وُہ فیبئین سوسائٹی میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد وُہ مختلف انگریزی اخبارات میں عام کتابوں کے علاوہ ڈرامے اور آرٹ پر تنقید کرنے لگا۔ فیبئین سوسائٹی میں اُس نے جو تقریریں کیں وُہ بہت مقبول ہُوئیں اور مستقبل خوشگوار نظر آنے لگا۔ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۸ء کے درمیان اُس نے چار ڈرامے لکھے اور اُن پر لمبی لمبی تمہیدیں بھی قلم بند کیں۔ اگرچہ ۱۹۰۴ء سے پہلے اُس کا کوئی ڈراما لندن کی اسٹیج پر کھیلا نہیں گیا لیکن ۹۴-۹۵ء تک وُہ ایک اعلیٰ درجے کا صحافی اور مقرر مشہور ہو چکا تھا۔ امریکہ میں رچرڈ مینسفیلڈ نے ۱۸۹۸ء ہی میں اُس کا ڈراما : "آرمز اینڈ دی مین" پیش کیا اور اس کے بعد "شیطان کا شاگرد" بھی اسٹیج کیا گیا۔ جرمنی میں بھی اُس کو اسی زمانے میں مقبولیت حاصل ہُوئی۔ لندن میں سب سے پہلے اُس کا ڈراما "جان بل کا دُوسرا جزیرہ" کامیاب ہُوا۔ یہ آئرلینڈ والوں کے کردار پر ایک طنز تھا، جس کی وجہ سے وُہ ڈراما نگار کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد شا نے متعدد اور ڈرامے بھی لکھے اور اسّی سال کی عُمر کے بعد اُس نے "سینٹ جون، ہارٹ بریک ہاؤس" اور "بیک ٹو میتھوسلا" لکھے جو اُس کے بہترین ڈرامے ہیں۔ ۲ نومبر ۱۹۵۰ء کو چورانوے سال کی عُمر میں شا کا انتقال ہُوا۔

اسلام کا اُولوالعزم مُجاھد

صلاحُ الدّین ایُّوبی

بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں یورپ کے بعض پادریوں نے صلیبی جنگوں کی بنیاد رکھی اور بے شمار یورپی عیسائیوں کے لشکر شام و فلسطین میں بھیجے تاکہ فلسطین اور آس پاس کے علاقے مُسلمانوں سے چھین لیں اور بیتُ المقدس پر قبضہ کر لیں۔ ان جنگوں میں صلاحُ الدّین ایُوبی بہت بہادری سے لڑا اور نوّے برس کے بعد فلسطین دوبارہ عیسائیوں سے واپس لے لیا۔

صلاحُ الدّین کا اصلی نام یُوسف تھا۔ اُس کا باپ نجم الدّین ایُوب موصل کے امیر عمادُالدّین زنگی کے پاس ملازم تھا۔ ۱۱۳۸ء میں یہ بچہ پیدا ہُوا جو آگے چل کر صلاحُ الدّین ایُوبی کے نام سے نامور ہُوا۔

۱۱۴۶ء میں جب صلاحُ الدّین آٹھ برس کا تھا، عمادُالدّین زنگی اپنے غلاموں کے ہاتھوں مارا گیا اور اُس کا چھوٹا لڑکا نُورُالدّین محمود حلب کا امیر بن گیا۔ نجم الدّین اور اُس کا بھائی شیرکوہ اُس کے حامی تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے دمشق فتح کیا تو نُورُالدّین محمود شام کا بادشاہ بن گیا۔ صلاحُ الدّین کے لڑکپن کا زیادہ زمانہ دمشق میں گزرا۔

مصر میں فاطمی خُلفاء کی حکومت تھی۔ نُورالدّین محمود نے سوچا کہ مصر میں مورچہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ اُدھر سے عیسائی حملہ نہ کر سکیں اور بیتُ المقدس پر قبضہ آسان ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے شیرکوہ کو مصر بھیج دیا جس کے ساتھ اُس کا بھتیجا صلاحُ الدّین بھی مصر چلا گیا۔ اس وقت وُہ چھبیس سال کا تھا۔ وہاں عیسائیوں سے لڑائیاں ہُوئیں۔ شیرکوہ کا انتقال ہُوا تو صلاحُ الدّین اُس کی جگہ وزیر مقرر ہُوا۔ پھر فاطمی خلافت کے خاتمے پر خلیفۂ بغداد نے صلاحُ الدّین کو مصر کا سلطان بنا دیا۔ اس زمانے میں تیسری صلیبی جنگ کے لیے یورپ سے فوجیں آنے لگیں۔ صلاحُ الدّین نے کئی جنگوں میں اُن کو شکستیں دیں اور دو ڈھائی برس کے بعد ۲۰ ستمبر ۱۱۸۷ء کو بیتُ المقدس کے سامنے پہنچ گیا۔ طویل محاصرے کے بعد فتح حاصل ہوئی اور ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو نوّے برس کے بعد مسلمانوں کا قبلۂ اوّل پھر ان کے قبضے میں آ گیا۔

سلطان صلاحُ الدّین ایُوبی پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس سے یورپ کے عیسائیوں کو سابقہ پڑا۔ سلطان نے عیسائیوں سے اس قدر عدل و احسان، رحم و کرم اور رواداری کا برتاؤ کیا کہ آج تک تاریخیں اس کی تعریف میں رطبُ اللسان ہیں۔

سلطان بیتُ المقدس کو فتح کرنے کے بعد دمشق چلا گیا۔ ۱۱۹۳ء کے ماہ فروری میں تپ لگ جانے کی وجہ سے بیمار ہو گیا اور اسی حالت میں وفات پائی۔ اُس وقت سلطان کی عمر ۵۵ برس کی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے ایک سچے نبی تھے۔ اُنھیں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اِصلاح کے لیے بھیجا تھا۔ آپ اللہ کے حکم سے حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے، جو بڑی عبادت گزار اور نیک خاتون تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش پر لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور لگے بُرا بھلا کہنے۔ حضرت مریمؑ خُدا کے حکم سے خاموش رہیں اور بچّے کی طرف اشارہ کیا کہ یہ بچّہ ہی اس کا جواب دے گا۔ حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں کو بتایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ شیر خوارگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے باتیں سُن کر لوگ دَنگ رہ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ حضرت مریمؑ معصوم ہیں۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو خُدا کا پیغام پہنچانے لگے تو اُنھوں نے بارہ آدمیوں کو مُرید کیا۔ یہ حواری کہلاتے تھے اور اُن کا ایمان تھا کہ مسیحؑ ہمارا ہادی اور ہماری قوم کا رہنما ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے فلسطین کا دَورہ شروع کیا۔ اور انسانوں کو محبت اور اُمید کی خوشخبری سُنائی۔ رُومی حکومت کے افسر، پُرانے مذہب کے پیشوا اور فریسی مسیحؑ کے پیغام پر اِعتبار نہ کرتے تھے اور اُس کو اپنے اقتدار کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بعض مُعجزے دِکھائے اور اپنی پاکیزہ زندگی کا نمونہ پیش کیا تو لوگ اُن سے مُتاثر ہونے لگے۔ حکمرانوں نے اُسے اپنے غلبے کے لیے خطرناک سمجھ کر فیصلہ کر لیا کہ حضرت مسیحؑ کو ہلاک کر دیا جائے۔ ایک تہوار کے موقع پر حضرت مسیحؑ اور ان کے حواری یروشلم گئے۔ اُس وقت تک رومن حکومت فیصلہ کر چکی تھی کہ وُہ باغی ہیں اور اپنی بادشاہت قائم کرنا چاہتے ہیں اس لیے اُن کو گرفتار کر لینا چاہیے۔ یہوداسکریوطی نے مُخبری کی اور حضرت مسیح کو گرفتار کرا دیا۔ رومی حاکم پیلاطس کی عدالت میں پیش کیا گیا، جس نے اُن کو صلیب پر لٹکانے کا حُکم دے دیا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اُتار کر دفن کر دیا گیا (پھر وُہ جی اُٹھے) مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ تو اُن کو قتل کیا گیا اور نہ سُولی دی گئی، بلکہ دشمنوں کو شُبہے میں ڈال دیا گیا۔

حضرت مسیحؑ کی تعلیم دُنیا بھر میں پھیل گئی اور رفتہ رفتہ کروڑوں آدمی اُن کے پَیرو ہو گئے۔

خلافتِ راشدہ کی دُوسری بڑی شخصیّت
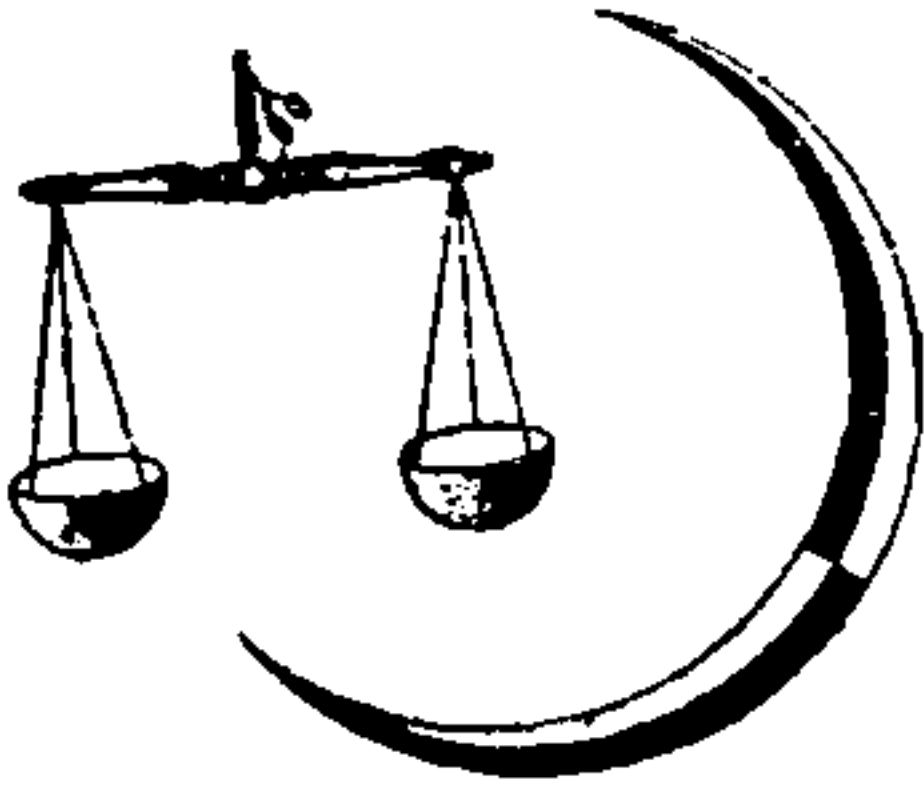
عُمرِ فارُوق رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ

رسُولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دُوسرے خلیفہ، موٹا جھوٹا کھانے اَور پیوند لگے کپڑے پہننے والے امیرالمؤمنین مُلک کے نظم ونسق کو پختہ بُنیادوں پر قائم کرنے والے۔

حضرتِ عُمرؓ کے والد کا نام خطّاب تھا۔ آپ کا نسب آٹھویں پُشت میں آنحضرتؐ سے مِل جاتا ہے۔ قبُولِ اِسلام سے قبل ہی سپہ گری اَور تجارت میں نام پَیدا کر چکے تھے۔ دانشمند اَور دُور اَندیش تھے۔ لڑنے والے قبیلوں میں صُلح کرانا اِن کا کام تھا۔ ستائیس برس کی عمر تک رسُولِ پاکؐ کی دعوتِ حق کے مخالف تھے لیکن قرآنِ مجید کی چند آیات سُن کر موم ہوگئے اَور اِسلام قبُول کرلیا۔ اِس سے قبل مُسلمان قریش کے خوف سے کُھلم کُھلا نماز نہ پڑھ سکتے تھے، لیکن حضرت عُمرؓ نے چالیس کے قریب مُسلمانوں کو ساتھ لے کر کعبہ میں نماز پڑھی اَور آنحضرتؐ نے اُن کو فارُوق کا لقب عطا فرمایا۔

مدینے پہنچ کر آنحضرتؐ کی خدمت وحمایت میں سرگرم رہے جنگوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔ اُن کی بیٹی حفصہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔ رسُولِ پاکؐ کے وصال کے بعد حضرت ابُوبکرؓ خلیفہ ہُوئے اَور اُنھوں نے وصیّت کی کہ میرے بعد عُمرؓ کو خلیفہ بنایا جائے۔

جب حضرت عُمر فارُوقؓ خلیفہ ہُوئے تو ایران و رُوم سے لڑائیاں شروع ہوچکی تھیں۔ حضرت عُمرؓ کا فیصلہ یہ تھا کہ ان جنگوں کو جلد سے جلد فتح کے نتیجے پر پہنچایا جائے۔ چُنانچہ ایرانیوں سے قادسیہ اور نہاوند پر بڑے زور کے معرکے ہُوئے مُسلمانوں نے فتح پائی اور ایران پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ خالدؓ بن ولید نے یرموک کی یادگار فتح حاصل کی۔ عمروؓ بن عاص نے مصر جاکر اسکندریہ کو فتح کرلیا۔ بیتُ المقدس کا مُحاصرہ ہُوا، وہاں حضرت عُمرؓ کو خُود جانا پڑا۔ فلسطین کے لوگ اسلام کے خلیفہ کو درویشانہ لباس میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ غرض حضرت عُمرؓ کے زمانے میں ایران سے لے کر مصر تک مُسلمانوں کی سلطنت قائم ہوگئی اَور خلیفہ نے اس وسیع مملکت کا انتظام اس قدر عدل وانصاف، رحم و رواداری اَور دیانت وصداقت سے کیا کہ دُوسرے مذاہب کے لوگ اسلام کے گرویدہ ہوگئے۔ عُمرؓ ذاتی طور پر غریب سے غریب انسان کی خدمت پر آمادہ رہتے تھے۔ مُسلمانوں کے بیتُ المال سے صرف بقدرِ ضرورت، چند درہم روزانہ لیتے تھے، جن میں مُشکل گزر بسر ہوتی تھی۔

خلافت کے گیارھویں سال ایک پارسی غُلام فیروز نے آپ کو نماز کی حالت میں سخت زخمی کیا۔ آخر ذی الحجہ ۲۳ ھ (۶۴۴ ء) کو وفات پائی اَور رسُولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پہلوئے مُبارک میں دفن ہُوئے۔ ۶۳ سال کی عُمر پائی۔

خلافتِ راشدہ کے تیسرے ستون
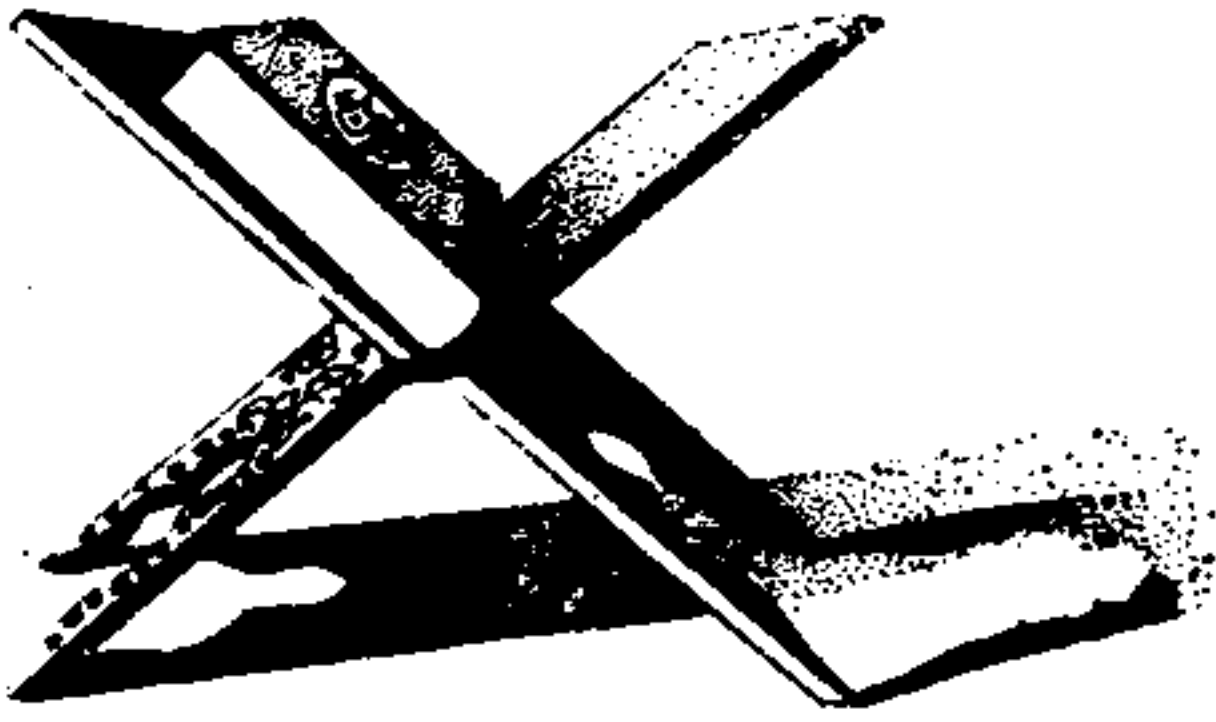
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

نیک، نرم دل اور معاف کرنے والے، اسلام پر اپنی دولت نثار کرنے والے، حضرتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق، اسلام کے تیسرے خلیفہ۔

اگرچہ اُس زمانے میں پڑھنے لکھنے کا رواج عام نہ تھا، لیکن حضرت عثمان غنی رضؓ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ جوان ہوئے تو تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور خاصی دولت کمائی۔

آپؓ کی عمر چونتیس ۳۴ برس کی تھی کہ آنحضرتؐ نے مکہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ حضرت ابوبکر رضؓ اسلام قبول کر چکے تھے، انھی کی تلقین سے عثمانؓ مسلمان ہوئے۔ عزیزوں، رشتہ داروں نے سختیاں کیں لیکن عثمانؓ نے سچے مذہب سے منہ نہ موڑا۔ رسولِ مقبولؐ نے اپنی بیٹی حضرتِ رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اُن کے انتقال کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی دُوسری صاحبزادی اُمّ کلثومؓ بھی انھیں سے بیاہ دیں۔ اسی وجہ سے عثمانؓ ذوالنّورین کہلاتے ہیں۔

ہجرت کے نویں سال یہ افواہ پھیلی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ کرنے والا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم دیا۔ چونکہ مُلک میں قحط پڑا ہوا تھا، اس لیے سامانِ جنگ، سواری اور رسد کا انتظام بے حد مشکل نظر آیا۔ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار فوج کا پُورا سامان اپنے رُوپے سے خرید دیا۔ ایک ہزار اونٹ اور ستّر گھوڑے دیے اور ایک ہزار دینار رسد کے لیے پیش کیے۔ یہی حضرت عثمانؓ اپنی دولت کو اسلام کی راہ میں بے دریغ صرف کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے چھ صحابیوں کے نام تجویز کر کے مشورہ دیا تھا کہ میرے بعد ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا لینا۔ اُن میں ایک عثمانؓ بھی تھے، چنانچہ اتفاقِ رائے سے وُہی خلیفہ قرار پائے۔

حضرتِ عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں افریقہ کے بعض حصّے اسلام کے جھنڈے تلے آئے۔ امیر معاویہؓ اس وقت حاکم شام تھے، انھوں نے جزیرۂ قبرص فتح کر لیا۔

اس زمانے میں بہت سی نئی قومیں مسلمان ہو گئی تھیں اور اُن میں بعض شریر اور منافق لوگ بھی تھے۔ حضرت عثمان رضؓ کی طبیعت میں سخت گیری نہ تھی۔ رفتہ رفتہ فتنے بڑھتے گئے اور بصرہ، کوفہ اور مصر کے شرارت پسند لوگوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیے۔ کسی ایک گروہ کی طرف سے ایسا مطالبہ جائز نہ تھا، حضرت عثمانؓ اُسے کیونکر قبول کر سکتے تھے۔ چنانچہ اُن کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مدینہ کے اکابر صحابہؓ نے باغیوں کو بہتیرا سمجھایا، لیکن وُہ فتنے سے باز نہ آئے۔ حضرت عثمانؓ سے کہا گیا کہ حکم دیں تو عساکرِ اسلامی ان باغیوں کا قلع قمع کر دیں، لیکن انھوں نے کہا کہ میں مسلمانوں کے درمیان خونریزی نہیں کرانا چاہتا۔ آخر باغیوں نے انھیں قرآن پڑھتے ہوئے ذی الحجہ ۳۵ھ میں شہید کر دیا۔

حضرتِ علی مُرتضیٰ رضی اللہ عنہ

بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اسلام کے لیے جوہرِ مردانگی دِکھانے میں سب سے آگے رہے۔ علم تقویٰ خطابت شجاعت کے پیکر، حضرتِ رسُولِ پاک کے داماد، حضرتِ فاطمہؓ کے شوہر اور حضرت حسنؓ و حُسینؓ کے والدِ محترم۔

حضرت علیؓ رسُولِ پاکؐ کے چچیرے بھائی اور ابو طالب کے صاحبزادے تھے۔ ابُو طالب کی وفات کے بعد حضوؐر نے ہی حضرت عؓلی کی پرورش کی۔ آنحضرتؐ کے اعلانِ نبوّت کے وقت حضرت عؓلی کی عمر دس سال کی تھی اس لیے بچوں میں سب سے پہلے وہ مُسلمان ہوئے۔ آپؓ نے آنحضرتؐ کے ساتھ بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ ہجرت کی رات حضوؐر کے بستر پر سوئے اور جب قریش حضوؐر کو قتل کرنے پہنچے تو ان کی جگہ حضرت علیؓ کو دیکھ کر بہت مائُوس ہُوئے۔

اُس کے بعد حضرت علیؓ بھی مدینہ پہنچ گئے۔ جنگِ بدر میں بہت بہادری سے لڑے۔ ہجرت کے دُوسرے سال آپ کا نکاح حضرتِ فاطمہؓ سے ہُوا۔ پھر اُحد اور خندق کی لڑائیوں میں بھی دادِ شجاعت دی۔ بڑے بڑے مشہور اور بہادر عربوں کو زیر کیا، پھر خیبر کا معرکہ پیش آیا، اس میں مُسلمانوں کو جو شاندار فتح حاصل ہُوئی، اُس میں حضرت علیؓ شیرِ خُدا کی بہادری کا بڑا حصّہ تھا۔

اسلام کے پہلے تین خُلفاء کے عہد میں حضرت علیؓ ان کے مُشیر اور صلاح کار رہے۔ حضرت عُثمانؓ کی شہادت کے بعد اکابرِ مدینہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے بعد خانہ جنگی کا سلسلہ شرُوع ہوگیا۔ حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کُوفہ کو اپنا دارُالخلافہ قرار دیا، کیونکہ بدامنی عراق ہی سے شرُوع ہُوئی تھی۔ وہیں سے شامیوں کے خلاف جنگ کرتے رہے۔

حضرت علیؓ بہت بڑے عالم تھے۔ زندگی کا بڑا حصّہ رسُولِ پاکؐ کے ساتھ گزرا۔ قُرآن اور دین کی تعلیم حضوؐر سے پائی۔ زندگی بے حد سادہ تھی۔ دیانت و امانت میں عدیمُ المثال تھے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ رُوپیہ پیسہ آتا تھا تو سارے کا سارا خُدا کی راہ میں صَرف کر دیتے تھے۔ اُنھوں نے اور رسُولِ پاکؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ نے جفاکشی، بھُوک، پیاس اور ایثار و قربانی کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ دُنیا میں یادگار رہیں گی۔

باغیوں اور مُنافقوں نے فیصلہ کیا کہ مُسلمانوں کے درمیان جھگڑے تین آدمیوں سے شرُوع ہُوئے ہیں، ایک حضرت علیؓ، دُوسرے امیر معاویہؓ اور تیسرے عمرو بن عاصؓ حاکمِ مصر۔ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے تو جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ چُنانچہ تین آدمی اس ناپاک کام کے لیے کُوفہ، دمشق اور مصر پہنچے۔ دو تو ناکام رہے، لیکن ایک بدبخت، جس کا نام عبدالرّحمٰن ابنِ ملجم تھا، حضرت علیؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کا دن تھا کہ حضرت علیؓ اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں سُرخرُو حاضر ہوگئے۔

ایک تہائی دین
کی امانت دار

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

رسولِ خُدا کی بیوی، پہلے خلیفہ کی صاحبزادی، دین کی خدمت میں سب سے آگے، اُمت کی عورتوں کے لیے ایک پاک نمونہ۔

حضرت عائشہ رضؓ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں۔ نبوّت کے چوتھے برس شوال کے مہینے میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی ولادت سے پہلے خاندان مسلمان ہو چکا تھا۔ خود فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے اپنے ماں باپ کو پہچانا، اُن کو مسلمان پایا۔" حضرتِ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نکاح عائشہ رضؓ سے ہُوا اور تین برس بعد رخصتی عمل میں آئی۔

حضرت عائشہ رضؓ جب حضورؐ کے گھر میں آئیں تو وُہ گھر کیا تھا، صرف ایک کچا حُجرہ تھا، جس پر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت تھی۔ ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ، مٹّی کے دو مٹکے، پانی کا ایک برتن اور پیالہ۔ حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ بعض اوقات چالیس چالیس دن تک گھر میں چراغ نہ جلتا تھا۔ گھر کا سارا کام — پیسنا، گُوندھنا، پکانا، کپڑے دھونا، اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں۔ کبھی کبھی تین تین دن گزر جاتے اور سیر ہو کر کھانا نصیب نہ ہوتا۔

جب فتوحات شروع ہوئیں اور مدینہ میں مالِ غنیمت آنے لگا تو بعض بیبیوں نے ایکا کیا اور حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے گزارا بڑھا دینے کی درخواست کی۔ اِس پر وُہ آیتیں اُتریں، جن کو آیاتِ تخییر کہتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تُم دُنیا کی زینت چاہتی ہو تو خُدا کا پیغمبر تُم کو مال دے دلا کر رخصت کر دے گا اور اگر خُدا اور رسُولؐ پسند ہے تو سُبحان اللہ!

جب حضرت عائشہ رضؓ نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ آیات سُنیں تو کہا کہ میں اللہ اور اُس کے رسُولؐ کو دُنیا کی آسائشوں پر ترجیح دیتی ہُوں، مجھے کِسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرتِ عائشہ رضؓ کی سخاوت اور فیاضی ضربُ المثل تھی۔ بارہا اَیسا ہُوا کہ بعض خُلفاء نے ہزارہا درہم بطورِ نذر بھیجے، لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے اُسی دن وُہ سب کے سب حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے اور اپنے لیے ایک حبّہ نہ رکھا۔

بڑے بڑے صحابیوں نے کہا ہے کہ دین کا علم حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ کسی کو نہ تھا، کیونکہ ایک تو وُہ خود بہت سمجھ دار اور اِسلام کی مصلحتوں کو سمجھنے والی تھیں، دُوسرے ان کو رسُولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ آپ ٹونے ٹوٹکے اور اوہام پرستی کی باتوں سے نفرت کرتی تھیں۔ آپ کو بے شمار حدیثیں یاد تھیں۔

رمضان ۵۸ھ میں بیمار ہُوئیں اور ۱۷ تاریخ کو اڑسٹھ برس کی عُمر میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرتِ ابُوہریرہؓ نے پڑھائی اور وصیت کے مُطابق اُسی وقت دفن کر دی گئیں۔

خلافتِ راشدہ کو از سرِ نو زندہ کرنے والے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

امیر معاویہؓ کے زمانے سے خلافت نے بادشاہی کا جامہ پہن لیا تھا اور وہی ٹھاٹھ شروع ہو گئے تھے، جو بادشاہی سے مخصوص ہیں۔ شیخین کے زمانے کی سادگی اور درویشی کا نام و نشان تک نہ رہا تھا لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے مختصر عہدِ حکومت میں اس پرانے اور پاک زمانے کو واپس لانے کی کوشش کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے۔ آپ کے والد برسوں مصر کے حاکم رہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کا نکاح خلیفہ عبدالملک کی بیٹی فاطمہ سے ہوا شہزادی ہونے کے باوجود انھوں نے اپنے شوہر کی درویشی کا ساتھ دیا اور سادگی اور ناداری میں عمر بسر کر دی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ ۶۸۱ء میں مدینے میں پیدا ہوئے اور مصر میں جوان ہوئے۔ آپ مدینہ کے گورنر مقرر کیے گئے تو آپ نے مسجدِ نبوی کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ روضہ پاک بھی پھر بنوایا۔ اس کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں صرف اوپر ایک روشندان باقی رہنے دیا جب خلیفہ سلیمان نے وصیت کی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ میں اس عہدے کا خواہاں نہیں ہوں مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں لیکن مسلمانوں نے اصرار کیا اور آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

خلیفہ بننے کے بعد آپ نے اپنی اور تمام اہلِ خاندان کی جاگیریں منسوخ کر دیں۔ اپنی بی بی فاطمہ کے پاس ایک ہیرا تھا، وہ بھی ان سے لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔ اہلِ خاندان بے حد ناراض ہوئے۔ آپ نے سب کو سمجھایا کہ یہ چیزیں تمھاری نہ تھیں، عام مسلمانوں کی تھیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے کا تمھیں کوئی حق نہیں۔ کھانے پہننے میں بالکل حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید کرتے تھے۔ صرف دو درم بیت المال سے روزانہ لیتے۔ سادہ کھانا کھاتے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے۔ آپ کی دیانت و امانت کے متعلق بے شمار قصے مشہور ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت میں دن رات مشغول رہتے۔ اہل خاندان نے کسی طبیب کی معرفت آپ کو بیماری کی حالت میں زہر دلوانے کی کوشش کی۔ راز فاش ہو گیا۔ ایک ہزار دینار اس طبیب کو رشوت میں ملے تھے، وہ لے کر بیت المال میں داخل کر دیے اور پھر کوئی دوا نہ کھائی۔ ۱۰۲ھ/۷۲۰ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

صرف انتالیس برس کی عمر پائی۔ دو برس دو مہینے خلیفہ رہے۔ لیکن اپنی زندگی میں ایک دفعہ خلافت راشدہ کے زمانے کا جلوہ دکھا گئے۔

یورپ میں اسلامی سلطنت کا بانی

عبدالرحمٰن الاوّل

عبدالرحمٰن اُندلسی بنو اُمیّہ میں سے تھا۔ عبّاسیوں کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کرنے کے بعد آوارۂ روزگار ہو کر اندلس پہنچ گیا اور وہاں اپنی بہادری اور اُولوالعزمی سے اسلامی سلطنت قائم کرلی، جس نے سارے یورپ میں حکومت کے نظم و نسق اور عُلوم و فنون کی روشنی پھیلائی۔

عبدالرحمٰن ۷۳۰ء میں پیدا ہُوا۔ پانچ سال کا تھا کہ باپ نے رحلت کی۔ دادا نے بڑے ناز و نعم سے پالا، اعلیٰ درجے کی تعلیم دلائی اور اپنا ولی عہد بنانے کا ارادہ کرلیا، لیکن بیس برس کا تھا کہ اُموی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور عبّاسیوں کی خلافت قائم ہُوئی۔ اُموی شہزادے جان کے خوف سے ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ عبدالرحمٰن بھی اپنے چھوٹے بھائی اور چار سال کے بیٹے کو ساتھ لے کر فرات کے کنارے ایک جنگل میں جا چھپا۔ عبّاسی سپاہی ہر جگہ پیچھا کرتے رہے اور یہ لوگ چھُپتے چھپاتے، جان بچاتے، ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل ہوتے رہے۔ اسی دَوران میں ایک جگہ اُس کا بھائی قتل کر دیا گیا۔

یہاں سے نکل کر عبدالرحمٰن افریقہ پہنچا، لیکن وہاں بھی فضا سازگار نظر نہ آئی۔ آخر اُندلس پہنچا۔ اُندلس (ہسپانیہ) میں پچاس سال سے مُسلمانوں کی حکومت قائم تھی اور وہاں کے لوگ اُموی خاندان کے خیر خواہ تھے، لیکن اُن کے سردار آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ عبدالرحمٰن نے اندلس پہنچتے ہی لشکر فراہم کیا اور قرطبہ کے گورنر کو شکست دے کر اندلس پر قابض ہوگیا۔ اس وقت اُس کی عُمر صرف پچیس برس کی تھی اور اسے دمشق سے روانہ ہُوئے صرف پانچ سال ہُوئے تھے۔

عبدالرحمٰن نے بادشاہ بنتے ہی مُلک کا انتظام نہایت خُوبی سے کیا۔ عوام کی خُوشحالی کی طرف اُس کی توجّہ سب کاموں سے زیادہ مبذول تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے، فرانس کا مشہور بادشاہ شارلمین، جس کی دھاک سارے یورپ میں بیٹھی ہُوئی تھی، ایک بڑا لشکر لے کر اُندلس پر حملہ آور ہُوا۔ عبدالرحمٰن نے جواب میں فرانس پر حملہ کر دیا اور کافی علاقہ لے لیا۔ شارلمین نے حالات کی پیچیدگی سے مجبُور ہو کر صُلح کی درخواست کی، بلکہ اپنی بیٹی کے ساتھ عبدالرحمٰن کی شادی کی پیش کش بھی کر دی۔ عبدالرحمٰن نے شادی کی تجویز تو منظُور نہ کی، لیکن صُلح کرلی۔

عبدالرحمٰن بہت نیک، سخی اور رحم دل بادشاہ تھا۔ جنازے کی نمازیں خُود پڑھاتا۔ لوگوں کے ہاں عیادت اور تعزیت کے لیے خُود جاتا۔ ہر شخص سے انصاف کرتا اور علم و فن کی سرپرستی بوجہِ احسن کرتا۔ قرطبہ کی مشہُور مسجد اُسی کی تعمیر کرائی ہُوئی ہے۔ عبدالرحمٰن نے اکیس برس شام میں بسر کیے، پانچ برس ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا، تیس برس اندلس میں بادشاہی کی اور ۷۸۶ء میں انتقال کیا۔

محبوبِ سُبحانی
غوثِ صمدانی
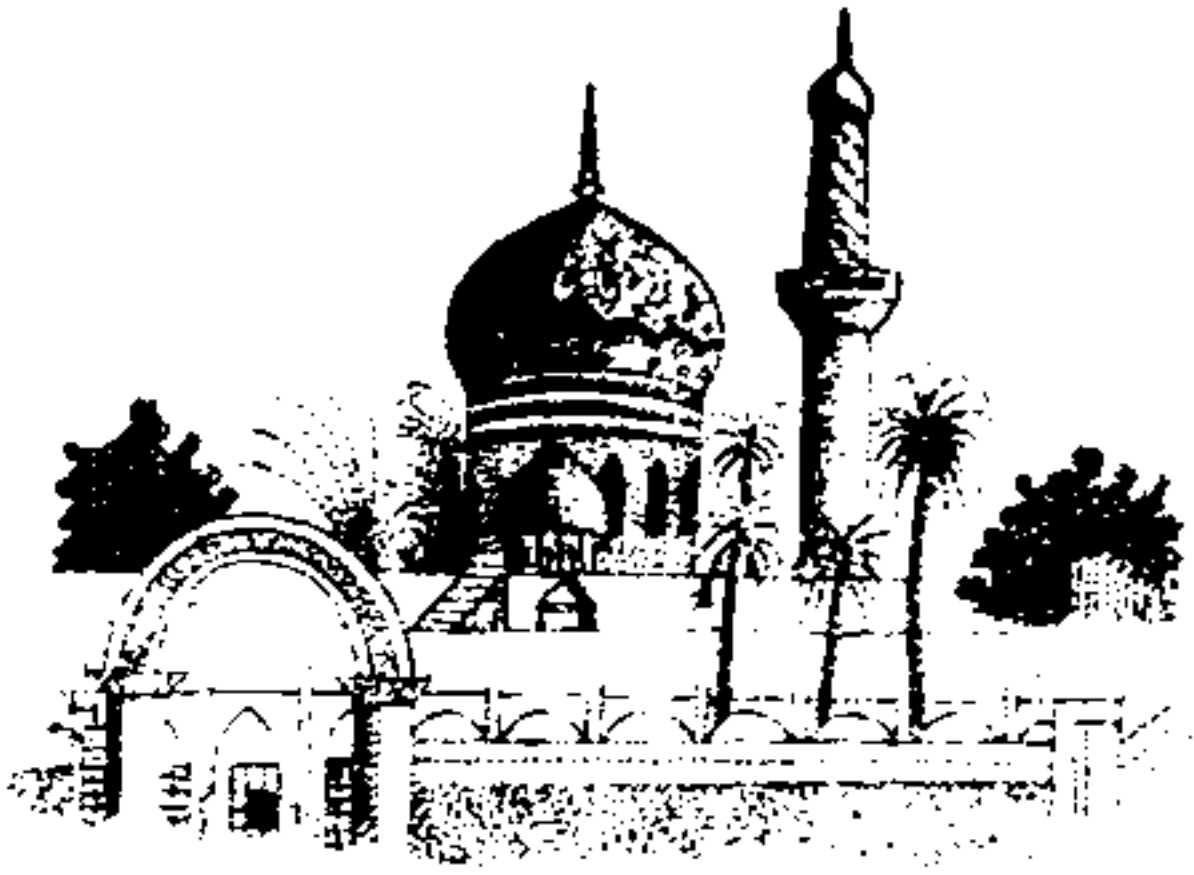
سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

صوفیاء و اولیاء میں جتنی مقبولیت عامہ سید عبدالقادر جیلانی رح کو حاصل ہوئی وہ شاید کسی اور بزرگ کے حصے میں نہیں آئی۔ آپ علم و فضل اور طریقت و تصوف، دونوں پہلوؤں میں کامل تھے۔

سید عبدالقادر حسنی و حسینی سید تھے۔ ۴۷۱ھ = (۱۰۷۷ء) میں گیلان یا جیلان کے مقام پر پیدا ہوئے بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ عمر کا بڑا حصہ بغداد میں بسر ہُوا۔

تعلیم کے لیے بغداد پہنچے۔ مدرسۂ نظامیہ میں علوم متداولہ حاصل کیے۔ پھر خود تفسیر حدیث اور دوسرے مذہبی علوم کی تدریس میں مصروف ہو گئے۔ تصوف کی ریاضتوں کا شوق ہُوا چنانچہ بڑی بڑی مشکل ریاضتیں کیں۔ ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ مجھے ایک رات اُن کے حجرے میں رہنے کا موقع ملا۔ عبدالقادرؒ دو تہائی رات تک نوبرابر نفل پڑھتے رہے، ایک تہائی رات رہ گئی تو عاجزی اور زاری سے دُعائیں مانگنے لگے۔ اُس وقت مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ آپ پر ایسا نور چھایا ہُوا ہے کہ چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

سید عبدالقادرؒ دین کے علوم میں ماہر تھے، چنانچہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء اکثر مسائل میں اُن سے مشورہ کرنے اور فتویٰ پوچھنے آتے تھے۔ "غُنیۃ الطالبین" اور "فتوح الغیب" آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ طریقت میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ تقریباً تمام اکابر صوفیاء آپ کی جلالتِ منصب کے قائل ہیں۔ آپ کی بہت سی کرامتیں بان زدِ عام ہیں، لیکن سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ انھوں نے نیکی اور تقوٰی کی زندگی بسر کی اور صدہا افراد کو خدا کے سچے دین کا راستہ دکھایا۔

جب بیماری بڑھ گئی اور زندگی کا چراغ ٹمٹمانے لگا تو آپ نے اپنے بڑے فرزند کو طلب کر کے اُس کو خوفِ خدا، عمل نیک اور توکل علی اللہ کی تلقین کی اور اُس کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (۵۶۱ھ = ۱۱۶۶ء) بغداد میں دفن ہُوئے۔ روضہ آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

تاریخ اسلام کا بہت
بڑا معلّمِ اخلاق اور مفکّر
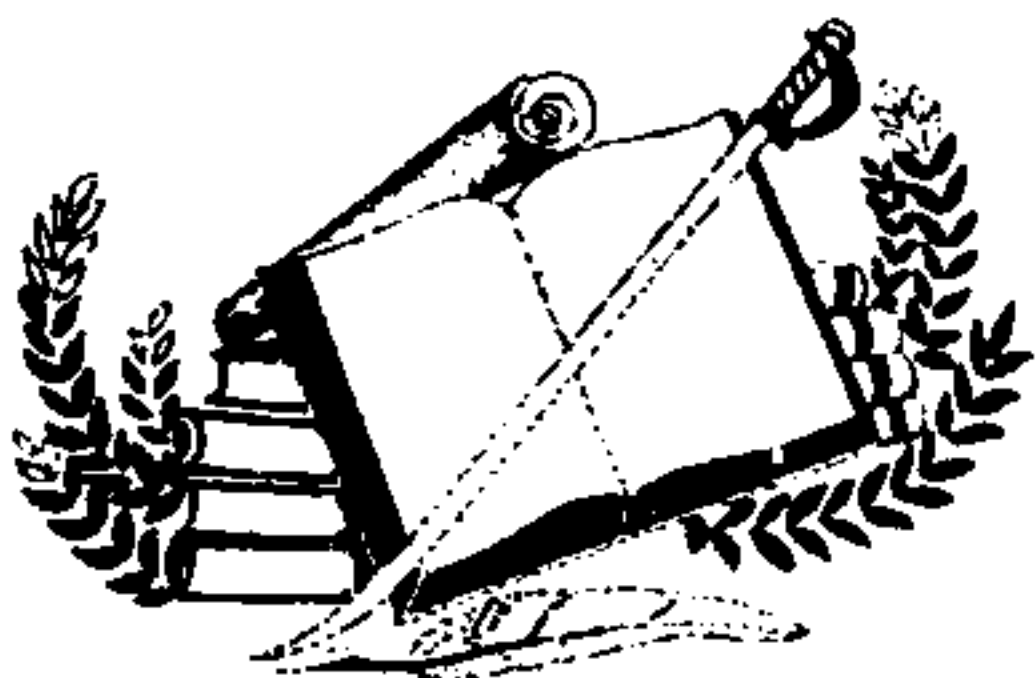
امام غزالیؒ

امام غزالیؒ اسلام کے نامور ترین علما و معلمینِ اخلاق و تصوّف میں شمار ہوتے ہیں اور مغرب کے فلسفی بھی ان کی بالغ نظری اور علم و وجدان کے قائل ہیں۔ ان کی کتابوں کے ترجمے تمام یورپی زبانوں میں کیے جا چکے ہیں۔

محمد بن محمد ابو حامد الغزالی ۱۰۵۸ء میں بمقام طُوس (خُراسان) پیدا ہُوئے۔ طُوس، جرجان اور نیشا پور میں تعلیم پائی اور بہت جلد ان کے علم و فضل کا شہرہ آس پاس کے مُلکوں میں پھیل گیا۔ ۱۰۹۱ء میں مشہور وزیر نظام الملک نے غزالی کو بغداد میں اپنے مشہور مدرسۂ نظامیہ کا مُعلّم مقرر کیا۔ بغداد میں امام غزالیؒ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں مصرُوف رہے، لیکن کوئی چار سال کی مُدت کے بعد اُن کو محسُوس ہُوا کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے علم و حکمت کافی نہیں اور اس سے رُوح کا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ چُنانچہ اُنھوں نے ایک دم نظامیہ کی معلّمی سے استعفا دے دیا، اپنے اہل و عیال کو چھوڑ دیا اور اِنتہائی زُہد و اِتقا کی زندگی اختیار کر لی۔ اسی دوران میں اُن کو صُوفیہ اور اہلِ طریقت کی صُحبت حاصل ہُوئی اور اُن کا یہ یقین حق الیقین کے درجے تک پہنچ گیا کہ حقیقت کے معلُوم کرنے کے لیے عقل کافی نہیں بلکہ وجدان ہی سب سے بڑا ذریعۂ علم ہے۔

اس روشنی کے حاصل ہو جانے کے بعد امام غزالیؒ نے فلسفیوں کی مخالفت میں ایک کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" لکھی، جس میں مابعد الطبیعی مسائل میں فلسفیوں کے عقائد کو نہایت سختی سے رَد کیا اور اُن کو گمراہ قرار دیا۔ غزالیؒ نے تلاشِ حق میں دمشق، یورشلم، مکہ، مدینہ، اسکندریہ کا سفر کیا۔ آخر سلطان ملک شاہ کی استدعا پر وہ نیشا پور کے مدرسے کے مُعلّم مقرر ہو گئے۔

امام غزالیؒ کی تصانیف کی تعداد ۶۹ بتائی جاتی ہے۔ "تہافۃ الفلاسفہ"، "مقاصد الفلاسفہ"، "الدرۃ الفاخرہ"، "کیمیائے سعادت" وغیرہ کے علاوہ اُن کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب "احیاءِ علوم الدین" ہے، جس میں علم و حکمت، وجدان و تصوّف اور اخلاق و اعمال کے تمام پہلوؤں پر نہایت خُوبی سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب ادبیاتِ اسلامی میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہے اور دُنیا بھر کے مُسلمان اس کو پڑھ کر مستفید ہوتے ہیں۔

نیشا پور کے مدرسے میں تقرر کے تھوڑے عرصے بعد امام غزالیؒ طُوس گئے اور دسمبر ۱۱۱۱ء میں وہیں اُن کا اِنتقال ہو گیا۔

☆

پاک و ہند کا سب سے بڑا شاعر

غالب

زبان اُردو جس شاعر پر بجا طور سے ناز کر سکتی ہے اور جس کو دُنیا کے بہترین شعرا کی صف میں پیش کر سکتی ہے وہ مرزا اسدُاللہ خاں غالب ہے جس نے شاعری کو تازہ زندگی بخشی اور اس کو بہترین اور بلند ترین مطالب کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

مرزا غالب قوم کے سلجُوقی ترک تھے۔ اُن کے دادا ہندوستان آئے۔ والد ہندوستان ہی میں پیدا ہُوئے۔ والدہ آگرہ کے ایک رئیس کی صاحبزادی تھیں۔ مرزا غالب ۱۷۹۷ء میں آگرہ کے مقام پر پیدا ہُوئے۔ پانچ برس کے تھے کہ اُن کے والد عبدُاللہ خاں ریاست الور میں مارے گئے۔ غالب نے آگرہ میں تعلیم پائی۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے شادی ہوئی۔ غالب آگرہ کو چھوڑ کر دلی آگئے اور پھر عُمر بھر یہیں رہے۔

مرزا غالب فارسی کے عالی پایہ ادیب اور شاعر تھے۔ اُردو میں ان کی غزلوں کا دیوان اگرچہ مختصر ہے لیکن اُردو کے نقاد اس کو آنکھوں پر رکھتے ہیں مرزا غالب کی شاعری پر بہ کثرت کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان کے دیوان کے بے شمار ایڈیشن چھاپے جا چکے ہیں فارسی میں ان کا کلّیات، اُردو کلام' کے مقابلے میں خاصا ضخیم ہے۔ فلسفہ او تصوّف کی باریکیاں شعر میں نہایت دلآویزی سے بیان کرتے ہیں۔

مرزا غالب اُس زمانے میں ہُوئے جب ہندوستان میں مُغل سلطنت آخری سانس لے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی مرزا کے سامنے ہُوئی اور اُنھوں نے دلی کی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دیوانِ اُردو اور کلّیاتِ فارسی کے علاوہ "اُردوئے مُعلّٰی" اور "عُودِ ہندی" کے نام سے غالب کے رُقعات بھی مرتّب کیے گئے جو زبان و بیان کی سادگی اور بے تکلفی کے اعتبار سے اب تک اُردو انشا پردازوں کے لیے نمونہ ہیں۔

مرزا غالب کو کچھ خاندانی پنشن ملتی تھی۔ کچھ آمدنی دُوسرے ذرائع سے بھی ہو جاتی تھی لیکن عُمر بھر حاجت مند ہی رہے۔ چُونکہ خاندانی رئیس تھے، اِس لیے خودداری سے زندگی بسر کر دی۔ آخر عمر میں زیادہ تر بیمار رہتے تھے۔ بصارت اور سماعت قریب قریب جاتی رہی تھی — بہتّر سال کی عُمر پا کر ۱۸۶۹ء میں فوت ہو گئے۔ دلی میں حضرت نظامُ الدّین اولیاؒ کی درگاہ کے پاس دفن ہُوئے۔

رسُولِ پاک کی بیٹی حضرت علیؓ کی بیوی
حضرت حسنؓ و حسینؓ کی ماں

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہؓ صُورت و سیرت، چال ڈھال اور لب و لہجہ میں رسُولِ پاکؐ سے مُشابہ تھیں۔ صبر و رضا کی تصویر تھیں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسُولؐ اللہ کے بعد فاطمہؓ سے بڑھ کر راست گو کوئی نہیں دیکھا۔ سادگی، حیا اور پرہیزگاری میں اُمت کی تمام خواتین کی سرتاج تھیں۔

مکے میں پیدا ہُوئیں۔ بچپن اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے زیرِ تربیت گُزرا۔ کھیلنا، کُودنا اور باہر آنا جانا پسند نہ تھا، گھر میں ماں کے پاس ہی بیٹھی رہتیں۔ رسُولِ پاکؐ کو اپنی اِن صاحبزادی سے بہت پیار تھا۔ ہجرت کے دُوسرے سال مدینہ میں حضرت علیؓ سے نکاح ہُوا۔ رسُولِ پاکؐ اور ان کے عزیزوں کی درویشی کا یہ عالم تھا کہ دو جہاں کے بادشاہ کی بیٹی کے جہیز میں ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہُوئے تھے، مٹّی کے دو گھڑے، ایک چھاگل، ایک مشکیزہ اور دو چکیاں تھیں۔ اِسی سامان سے پُوری عُمر بسر کر دی۔ خود ہی چکّی پیستیں، خود ہی مشکیزے میں پانی بھر کر لاتیں، خود ہی جھاڑُو دیتیں اور گھر کا سارا کام کاج بھی خود ہی کرتیں۔ جب کبھی انھوں نے یا حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے کوئی ماما یا خادم مانگا، یہی جواب مِلا کہ یہ تم سے زیادہ مُستحق لوگوں کے لیے ہیں، اس لیے صبر و شکر سے کام لو اور اُنھوں نے ہمیشہ صبر و شکر ہی سے کام لیا۔

حضرت فاطمہؓ بیوی، بیٹی اور ماں کی حیثیتوں میں تمام دُنیا کی عورتوں کے لیے نمونہ ہیں۔ اُنھوں نے اپنی مُختصر زندگی میں اعمالِ نیک کا اتنا اہتمام کیا اور غریبی کے باوجود جُود و سخا کا وہ معیار قائم کیا کہ خُدا کے رسُولؐ کو ان کی زندگی بے حد پسند آئی۔ جب کبھی رسُولِ مقبولؐ سفر سے واپس آتے، پہلے مسجد میں نماز ادا کرتے، پھر سیدھے حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے۔ آپ مِلنے کے لیے آتیں تو آنحضرتؐ کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔

رسُولِ پاکؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد خاندان میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے مِلو گی۔ چنانچہ حضورؐ کے وصال کے صرف چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ صرف اُنتیس ۲۹ برس کی عمر میں (۱۱ھ) فوت ہو گئیں۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ آپ ہی کے صاحبزادے تھے اور یہ حضرت فاطمہؓ کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ ہمیشہ حق پر قائم رہے اور حق کے لیے جان دی۔ حضرت حسنؓ کو زہر دیا گیا اور حضرت حسینؓ میدانِ کربلا میں شہید ہُوئے۔

☆

برقیات کا موجد

مائیکل فیرڈے

چند ہی سائنس داں ہوں گے جنھوں نے ایسی مُفید عام دریافتیں کی ہوں جیسی مائیکل فیرڈے نے کیں۔ اگر وہ برقی مقناطیسیت کے متعلق معلومات بہم نہ پہنچاتا تو آج دُنیا میں بجلی کا راج کہیں نظر نہ آتا۔ لطف یہ ہے کہ اس نے تحقیق کا جو شاندار کام انجام دیا وہ کسی رسمی تعلیم کا نتیجہ نہ تھا۔ کیونکہ فیرڈے کچھ زیادہ لکھا پڑھا آدمی نہ تھا۔

فیرڈے ۲۲ ستمبر ۱۷۹۱ء کو ڈربی، انگلستان نیونگٹن میں پیدا ہوا۔ ایک لوہار کا بیٹا تھا جو اپنے بچے کو سکول بھیجنے کی توفیق نہ رکھتا تھا۔ فیرڈے بہت چھوٹی عمر میں ایک جلد ساز کے پاس بطور شاگرد بٹھا یا گیا لیکن خُدا جانے کہاں سے اس کو سائنس کا گہرا شوق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنے خالی اوقات میں سائنس کی چھوٹی موٹی کتابیں پڑھ لیا کرتا تھا۔

اس کے مشغلۂ زندگی میں پہلا قدم یہ تھا کہ اُسے مشہور سائنسداں سر ہمفری ڈیوی کے چار لیکچر سننے کا اتفاق ہُوا۔ فیرڈے چاہتا تھا کہ اُسے کوئی ایسی نوکری مِل جائے جس سے وہ اپنے شوق کو بھی پُورا کر سکے۔ اس نے سر ہمفری ڈیوی کے جو لیکچر سُنے تھے اُن کے اشارے مرتب کر لیے اور وہ اشارے سر ہمفری ڈیوی کو بھیج دیے۔ سر ہمفری کو یہ اشارے اس قدر پسند آئے کہ اُنھوں نے فیرڈے کو اپنے مددگار کی حیثیت سے نوکر رکھ لیا۔ فیرڈے نے شروع شروع میں بعض تجربے کیے، مثلاً دباؤ سے گیسوں کو سیّال بنا دینا۔ ان تجربوں سے اُسے خاصی شہرت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ وہ ۱۸۲۸ء میں رائل انسٹی ٹیوشن کی لیبارٹری میں ڈائرکٹر مقرر ہو گیا۔ کچھ مدت بعد وہ رائل انسٹی ٹیوشن میں سر ہمفری ڈیوی کی جگہ کیمسٹری کا پروفیسر ہو گیا۔

کیمسٹری میں اس کی بعض اہم دریافتیں یہ تھیں:۔ فولاد کو دوسری دھاتوں سے ملانا۔ ایک مرکب جس سے انیلین رنگوں کی تیاری ممکن ہو گئی۔ ایسا کیمیاوی عمل جس سے عینک کا ایسا شیشہ بنایا جا سکے جس میں انعطافِ نور کی طاقت بہت زیادہ ہو۔

لیکن اس کا سب سے بڑا کام برقی مقناطیسیت سے متعلق تھا۔ اس نے بیس سے زیادہ تجرباتی سلسلوں سے یہ ثابت کر دیا کہ ایک سرکٹ کی برقی رَو کو ایک اور سرکٹ میں برقی رَو دوڑا کر حرکت دینا ممکن ہے۔ چنانچہ اُس نے ایک مقناطیس کو ایک برقی رو کے گرد مسلسل طور پر گھُما کر آج کل کے برقی ڈائنمو اور موٹر کی بُنیاد رکھ دی۔ اِس سلسلے میں اس نے بعض اور مفید دریافتیں بھی کیں۔ یہ فیرڈے ہی کی مہیا کی ہُوئی معلومات تھیں جن کی بنا پر بعض دوسرے سائنسدانوں نے علُومِ برق کو موجودہ پیمانے تک پہنچایا۔ فیرڈے ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کو ہیمپٹن کورٹ میں فوت ہو گیا۔

زخمیوں کی خبرگیری کرنے والی

فلارنس نائٹ انگیل

یہ خاتون ۱۲ مئی ۱۸۲۰ء کو اٹلی کے شہر فلارنس میں پیدا ہوئی لیکن اس کا بچپن زیادہ تر انگلستان میں بسر ہوا۔ اس کی نیک ماں نے اُسے خدمتِ خلق میں زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اُس نے لندن، ایڈنبرا اور یورپ کے بعض ہسپتالوں کا گھوم پھر کر معاینہ کیا اور پیرس اور کائزرزورتھ کے اداروں میں نرسنگ کی تربیت بھی حاصل کی۔ ۱۸۵۸ء تک اُسے اتنی شہرت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ لندن میں مریض خواتین کے ہسپتال کی سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دی گئی۔ لیکن جنگِ کریمیا میں اُس نے وہ کام کیا کہ دُنیا بھر میں مشہور ہو گئی۔ اِس جنگ کے آغاز میں جب معلوم ہوا کہ زخمی سپاہیوں کی دیکھ بھال ٹھیک طور سے نہیں ہو رہی ہے تو مس نائٹ انگیل نے وزیرِ جنگ کو جو بچپن کے زمانے سے اُس کے دوست تھے، اپنی خدمات پیش کیں اور اڑتیس دُوسری نرسوں کو ساتھ لے کر کریمیا روانہ ہو گئی۔ اس کا کام یہ تھا کہ تمام فوجی ہسپتالوں کی نگرانی کرے، نرسوں کے پُورے عملے سے کام لے اور دس ہزار مریض اور زخمی انسانوں کی دیکھ بھال کرے۔

وہ چوبیس گھنٹے کام میں مصرُوف رہتی۔ ہسپتالوں اور بارکوں کو صاف کراتی، مریضوں کے بستروں پر خود چکر لگاتی اور جتنا وقت ملتا اُس کو اپریشن کے کمروں میں مجروح انسانوں کی تسکین و تسلی میں صرف کرتی۔ فروری اور جون ۱۸۵۵ء کے درمیان اُس کی اَن تھک کوششوں کے باعث شرحِ اموات ۴۲ فی صد سے گھٹتے گھٹتے صرف دو فی صد رہ گئی۔ اگرچہ وہ خود بخار میں مبتلا ہو گئی، لیکن اپنے کام میں برابر مصرُوف رہی تا آنکہ انگریزوں نے جولائی ۱۸۵۶ء میں ترکی کو خالی کر دیا۔ اس وقت تک اس کے عظیمُ الشّان کام کی اتنی شہرت ہو چکی تھی کہ حکومتِ برطانیہ نے اُس کو وطن واپس لانے کے لیے خاص طور پر ایک جنگی جہاز بھیجا۔

مس نائٹ انگیل کی خدمات کے اعتراف کے طور پر پچاس ہزار پاؤنڈ کا ایک فنڈ جمع کیا گیا جس سے اُس نے سینٹ ٹامس ہسپتال میں ایک دارالتربیت قائم کیا جس کا نام تھا، نائٹ انگیل نرسز ٹریننگ ہوم۔ اِس کے علاوہ بعض دُوسرے مقامات پر بھی نئے انداز کے نرسنگ سکول کھولے گئے۔

مس فلارنس نائٹ انگیل کا انتقال لندن میں ۱۳ اگست ۱۹۱۰ء کو ہوا۔ اُس نے نوّے سال کی عمر پائی۔

مغلوں کا سب سے بڑا شہنشاہ

قبلائی خاں

قبلائی خاں چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ ۱۲۱۶ء میں پیدا ہوا اور بعد میں اتنی وسیع سلطنت کا حکمراں بن گیا کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ کو اتنے لوگوں پر حکومت کرنا نصیب نہ ہوا تھا۔ جب چین میں مغلوں کو مار دھاڑ کرتے آدھی صدی گزری تھی (۱۲۷۹ء) تو اس وقت قبلائی خاں کی بادشاہی کا پھریرا پولینڈ کی سرحدوں تک لہرا رہا تھا۔ یورپ کے لوگوں کو سب سے پہلے جس چینی بادشاہ سے شناسائی حاصل ہوئی وہ قبلائی خاں ہی تھا۔

ابھی قبلائی خان کی عمر دس سال کی تھی کہ اُس نے اپنے دادا چنگیز خاں کی آخری مہم میں حصہ لیا (۱۲۲۶ء-۱۲۲۷ء) روایت ہے کہ چنگیز نے اپنے بستر مرگ پر قبلائی خاں کو لائق اور ہونہار بتایا تھا۔ قبلائی خان کہیں ۱۲۵۹ء میں جاکر تخت پر بیٹھا، لیکن اس وقت بھی اس کو اپنے بھائی "اریک بغا" اور اپنے چچیرے بھائی "قیدو" سے جنگ کرنی پڑی۔ کیونکہ وہ بھی تخت کے دعویدار تھے۔ قبلائی خاں نے اُن پر فتح پائی اور اپنا نیا پایۂ تخت پیکن میں قائم کیا (۱۲۶۴ء)۔ اُس کے بعد جنوبی چین پر قبضہ کرنے کی طرف متوجہ ہُوا۔

جب کبھی قبلائی خاں زیادہ دور دراز فوج کشی اختیار کرتا تھا، اُسے کامیابی نہ ہوتی تھی۔ اس نے جاپان پر کئی حملے کیے لیکن شدید ناکامی ہُوئی۔ پھر کوچین، چانپا اور جاوا پر چڑھ دوڑا لیکن ان میں بھی کامیاب نہ ہوسکا، البتہ برما میں کامیابی ہوئی اور مغل فوجیں اس ملک میں ایراودی کے ڈیلٹے تک بڑھتی چلی گئیں۔ اس شہنشاہ نے جب کبھی دُوسرے مُلکوں سے امن و مصالحت کی بات چیت کی، وہ ہمیشہ کامیاب ہُوا مثلاً جنوبی ہندوستان، مشرقی افریقہ اور مدغاسکر نے اس کی اطاعت کا عہد کرلیا۔

قبلائی خاں کی فوج میں ایشیا کے اکثر ملکوں کے لوگ شامل ہوتے تھے اور اس کے عملے میں ہر ملک کے طالع آزما، جنگجو، سائنسدان، حاکم اور سیاسی آدمی شریک تھے۔ مارکوپولو اسی گروہ سے تھا اور ہمیں قبلائی خاں کے اکثر حالات اسی کے سفرنامے سے معلوم ہوتے ہیں۔ مارکوپولو نے یہ بھی لکھا ہے کہ قبلائی خاں اپنی رعایا کی تعلیم کے لیے یورپ کے پادریوں کو بُلانا چاہتا تھا لیکن جب پادری نہ مل سکے تو اس نے تبت سے بُدھ مت والوں کو بُلالیا۔ اُس کا دربار نہایت شاندار تھا، جہاں عیش و تفریح کے عظیم الشان سامان تھے اور اس کی شکار کی ٹولیاں بڑی آن بان کی ہوتی تھیں۔

قبلائی خاں طبیعت کا نیک تھا اور علمی مشاغل سے دلچسپی رکھتا تھا لیکن اُس کا اسراف بسا اوقات رعایا کو بغاوت پر آمادہ کردیتا تھا۔

اُس نے اٹھہتر سال کی عمر پاکر ۱۲۹۴ء میں وفات پائی۔

چین کی قدیم دانش کا علَم بردار

کنفیوشس

مختلف مذاہب کے بانیوں کو چھوڑ کر دُنیا میں کنفیوشس کے سوا کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس نے اتنے زیادہ لوگوں کے کردار پر اثر ڈالا ہو۔ کنفیوشس کی پیدائش کو (۵۵۱ قبل مسیح) ڈھائی ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن آج بھی لاکھوں کروڑوں چینی اُس کی تعلیمات کو لفظ بہ لفظ دُہراتے ہیں اور وہ تعلیمات تاؤ مذہب اور بُدھ مت جیسے عظیم الشان مذہبوں کا حصہ بن چکی ہیں۔ تاہم یہ فلسفی کسی الہام کا دعویدار نہ تھا، بلکہ پُرانے دانشمندوں کے اقوال جمع کر کے اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کرتا تھا۔

اگرچہ چینی، کنفیوشس کے اقوال کا اِتنا احترام کرتے ہیں کہ یہ اقوال ان کا مذہب بن گئے ہیں لیکن خود کنفیوشس زیادہ تر دنیاوی زندگی کے مسائل بیان کرتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ جو شخص اُس کے "سُنہری اصُول" پر عمل کرے گا اُس کو فوری فائدہ پہنچے گا یا کم از کم اُس کے بیٹوں اور پوتوں کو اُس کا انعام ضرور ملے گا۔ کنفیوشس کے اصول مختصر طور پر دو ہیں۔ (۱) اپنی اندرونی فطرت کے ساتھ وفادار اور راست باز رہو۔ (اس کو چینی زبان میں "چونگ" کہتے ہیں نمبر ۲) اس فطرت کے بلند ترین اصوُلوں کو دُوسروں کے ساتھ تعلقات میں استعمال کرو (اس کو "شو" کہتے ہیں)۔ وہ خدمتِ والدین، دانائی، شائستگی، جُرأت، راستبازی، دیانت اور دُوسری نیکیوں کو بہت سراہتا ہے۔

ابھی کنفیوشس کی عمر اکیس[۲۱] سال تھی کہ اُس نے اُن نوجوانوں کے لیے ایک درسگاہ کھولی جو اچھی حکومت اور اچھے کردار کے متعلق کچھ سیکھنا چاہتے تھے۔ جب وہ اِس درسگاہ کے قیام کے لیے شہنشاہ کے پایۂ تخت میں پہنچا تو تاؤ مذہب کے بانی "لاؤ زے" سے اُس کی مُلاقات ہوئی۔

سینتالیس[۴۷] سال کی عُمر میں اس کے وطن "لو" میں اس کو ایک سیاسی عہدہ دیا گیا جس سے اُس کو حکومت کے متعلق اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا۔ اُس کے نتائج اس قدر شاندار نکلے کہ آس پاس کی ریاستیں خوف زدہ ہو گئیں اور اس کے خلاف سازشیں کرنے لگیں چنانچہ وہ تیرہ[۱۳] سال کے لیے جلاوطن کر دیا گیا۔

اڑسٹھ سال کی عُمر میں کنفیوشس جلاوطنی سے واپس آیا اور پھر آخر دم تک (۴۷۹ ق م) اپنی قوم کے تاریخی مواد نظموں، عوامی کہانیوں اور معاشرتی رسموں کو مرتب کرنے میں مصرُوف رہا۔

جہاز رانوں کا بادشاہ

کرسٹوفر کولمبس

اگرچہ آجکل یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "لیف ایرک سن" کولمبس سے کوئی پانچ سو سال پہلے شمالی امریکہ پہنچ گیا تھا لیکن اکثر لوگوں کے نزدیک اس کے باوجود نئی دُنیا کی دریافت کا سہرا کولمبس ہی کے سر ہے۔

کولمبس اٹلی کے شہر جنوا کا رہنے والا تھا۔ ۱۴۴۶ء اور ۱۴۵۱ء کے درمیان پیدا ہوا۔ چودہ سال کی عمر میں بحری زندگی کا آغاز کیا اور بحیرۂ رُوم، ازورس اور شمالی سمندر کا سفر کیا۔ ۱۴۷۴ء میں اُس نے مغرب کی طرف سفر کر کے ہندوستان پہنچنے کا ارادہ کیا اور اس غرض کے لیے یورپ کے بعض شاہی درباروں سے مالی امداد کا طالب ہوا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۱۴۹۲ء میں ہسپانیہ کے بادشاہ فرڈیننڈ اور اس کی ملکہ ازابیلا نیم دلی سے اُس کی مدد پر آمادہ ہو گئے اور وہ اِسی سال ۳ اگست کو پیلوا کے مقام سے روانہ ہو گیا۔ سانتا میریا اس کا اپنا جہاز تھا اور اُس کے ساتھ پنٹا اور نینا دو اور چھوٹے چھوٹے جہاز بھی تھے۔ جزائر کینیری میں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد یہ لوگ ۶ ستمبر کو مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۲ اکتوبر کو انھیں جزائر بہاما کا مقام سان سالویڈور نظر آیا۔ کولمبس نے اُتر کر فرڈیننڈ اور ازابیلا کے نام سے ان جزائر پر قبضہ کیا اور تاریخ کے ایک نئے دَور کی بنیاد رکھی۔

اِس سفر میں کولمبس نے کیوبا اور ہائٹی کو بھی دریافت کیا۔ اس کے بعد تین سفروں میں اُس نے جزائر غرب الہند، ٹرینی ڈاڈ اور جنوبی امریکہ کی سرزمین کا بھی پتا چلایا اور خلیج میکسیکو کے جنوبی ساحلوں پر دیکھ بھال کے لیے چکر بھی لگایا۔ اِن مہموں میں کولمبس نے بڑی دولت فراہم کی اور بڑا نام پیدا کیا۔ آخری سفر کے دو سال بعد ۲۰ مئی ۱۵۰۶ء کو "ویلا ڈولڈ" کے مقام پر اس کا اِنتقال ہو گیا۔

کولمبس کے نام کے ساتھ بہت سی کہانیاں وابستہ ہو گئی ہیں اور بہت سی قوموں نے دعوٰی کیا ہے کہ کولمبس ان کا ایک فرد تھا۔

کولمبس کی مہارتِ جہاز رانی میں کسی کو شُبہ نہیں۔ اُس نے اپنے زمانے کے اَن گھڑ آلات پر بھروسا کر کے جزائر غرب الہند سے مشرق کی طرف ہزار ہا میل کا سفر کیا۔ وہ اپنی منزلِ مقصود سے صرف پینتیس ۳۵ میل دُور رہ گیا تھا۔

علم و فن کا لکھ داتا
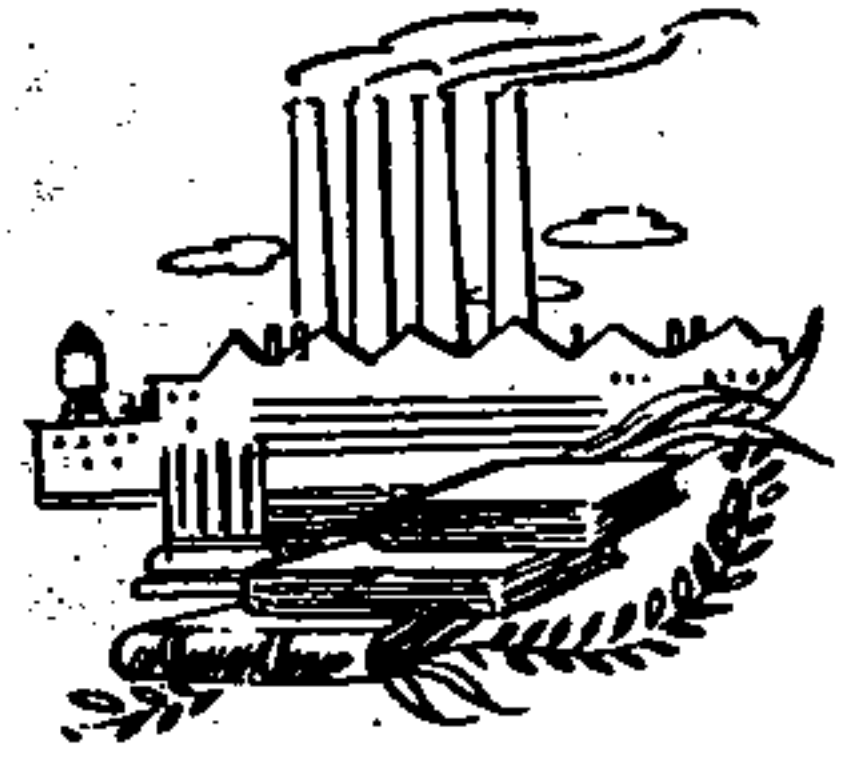
اینڈریو کارنیگی

اینڈرو کارنیگی کو کاروبار میں جو کامیابی حاصل ہوئی اُس کی مثالیں امریکہ میں کم یاب نہیں ہیں لیکن اُس کی بخشش اور سخاوت اپنی مثال آپ ہے۔

وہ ۲۵ نومبر ۱۸۳۵ء کو سکاٹ لینڈ کے شہر ڈمفرلن میں پیدا ہوا اور ۱۲ سال بعد اپنے خاندان کے ساتھ ایلیگینی (پنسلوینیا) آ گیا۔ پہلے پہل اُس نے چرخی گھمانے کی نوکری کی جس میں اُسے ہر ہفتے ایک ڈالر اور بیس سینٹ ملتے تھے۔ پھر تار گھر میں چپراسی ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ ٹیلیگرافی بھی سیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۳ء تک وہ پنسلوینیا ریلوے کے ایک ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ کا پرائیویٹ سیکرٹری اور تار بابو مقرر ہو گیا۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے آغاز تک کارنیگی خود سپرنٹنڈنٹ ہو گیا اور اس نے کچھ سرمایہ بھی وڈرف کمپنی میں لگا دیا جو "پلیپن سلیپنگ کار" کی موجد تھی۔ اُس کو اس کاروبار میں خاصا منافع ہوا چنانچہ اسے سرمایہ کاری کا مزید شوق پیدا ہو گیا۔

خانہ جنگی کے زمانے میں کارنیگی نے فوجی رسل و رسائل کے دفتر میں نوکری کر لی اور تار کے محکمے کو نئی بنیادوں پر منظم کیا۔ ۱۸۶۵ء کے بعد لوہے کی بہت سی کمپنیوں کے حصے خرید لیے۔ ریلوے کے افسروں سے دوستی تو ہو ہی گئی تھی، انھوں نے لوہے کی چیزیں ان کمپنیوں سے خریدیں اور کمپنیوں کو بڑا منافع ہوا۔ پھر کارنیگی نے یورپ کا سفر کر کے لوہے اور تیل کے حصے فروخت کیے۔ آخر ۱۸۷۳ء میں دوسرے تمام کام چھوڑ کر صرف فولاد پر توجہ مرتکز کر دی اور اس میں کروڑوں روپے کمائے۔

۱۹۰۱ء میں وہ پچیس ۲۵ کروڑ ڈالر جمع کر کے کام کاج سے سبکدوش ہو گیا۔ اُس نے دس بارہ سال پہلے ایک مقالے میں لکھا تھا کہ جو شخص دولت مند ہو جائے اس کو چاہیے کہ اپنے خاندان کی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد جو دولت بچے اس کو واپس قوم کے حوالے کر دے تاکہ ہم جنسوں کی حالت بہتر بنائی جا سکے۔ چنانچہ اُس نے جود و سخا کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے۔ عمارتیں اپنے خرچ سے تعمیر کرائیں۔ ۱۹۱۸ء تک ۲۵۰۵ عطیات کا اعلان کیا۔ پٹس برگ میں ٹیکنالوجی کا ایک بہت بڑا کالج قائم کیا، ترقیِ تعلیم کے لیے ایک وقف محفوظ کیا اور بین الاقوامی امن و امان کے قیام کے لیے ایک بہت بڑی جائداد کی آمدنی مخصوص کر دی۔ پھر ساڑھے بارہ کروڑ ڈالر کے سرمائے سے کارنیگی کارپوریشن قائم کی کہ اس کی موت کے بعد بھی فیض برابر جاری رہے۔ اس فیاض آدمی کی تاریخ رحلت ۱۱ راگست ۱۹۱۹ء ہے۔
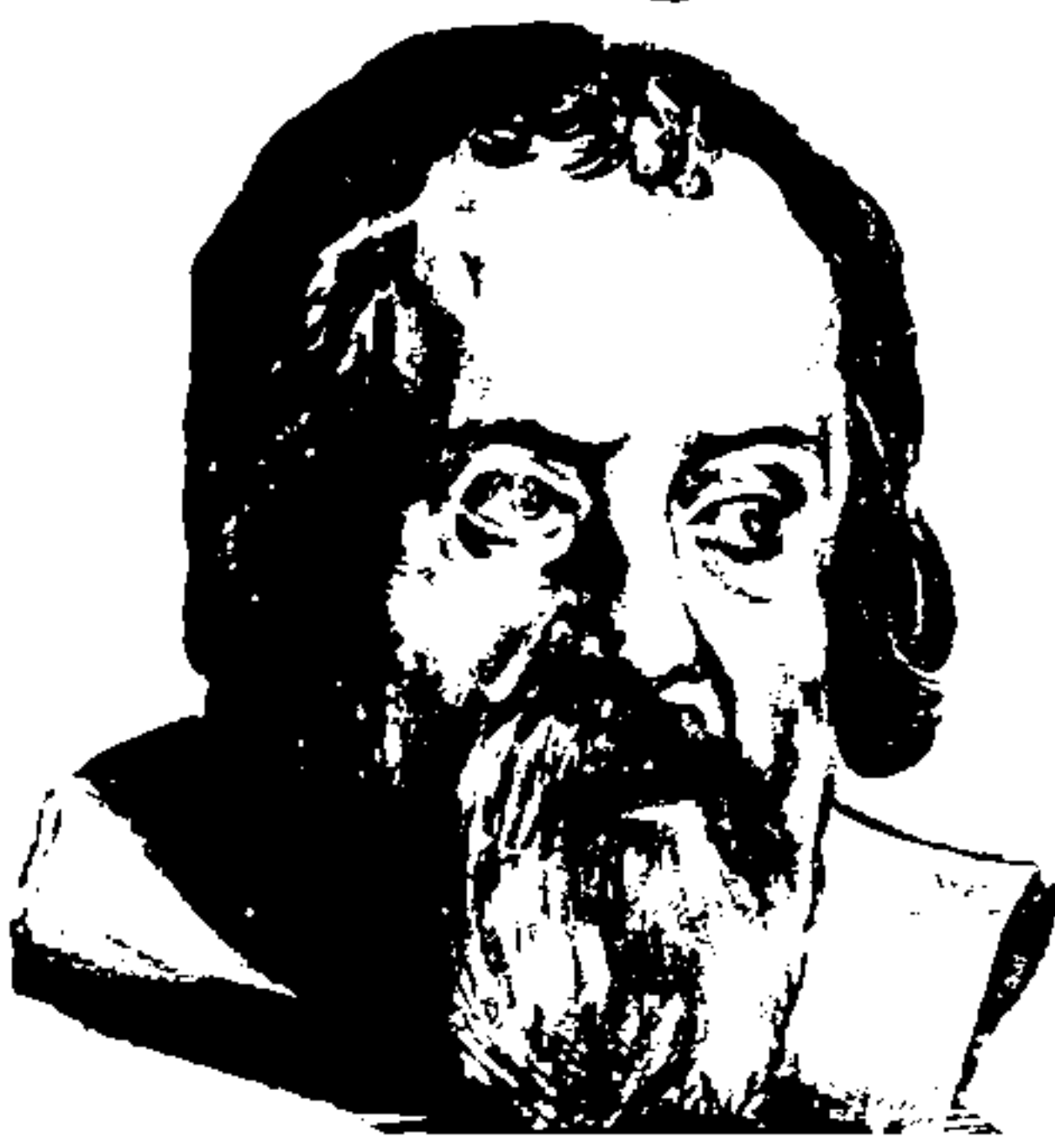
آسمانوں کا نقشہ بنانے والا

گیلیلیو

گیلیلیو کو لوگ اِس لیے یاد کرتے ہیں کہ اُس نے سب سے پہلے دُوربین سے ستاروں کو دیکھا۔ پیسا کے جُھکے ہُوئے مینار سے گرتے ہُوئے اجسام کے تجربے کیے اور پادریوں کی سختی سے گھبرا کر اپنے عقیدے کے خلاف علان کرنے پر مجبُور ہو گیا لیکن سولھویں صدی کے اس سائنسدان کی شہرت کے اور بھی بہت سے سبب ہیں۔

گیلیلیو ۱۵ فروری ۱۵۶۴ء کو پیسا میں پیدا ہُوا۔ باپ کے حکم سے فلسفے اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی لیکن یہ علوم اُس کے ذوق کے خلاف تھے۔ ۱۵۸۱ء میں ایک دن اُس نے ایک گرجا میں دیکھا کہ چھت میں لٹکنے والا ایک لیمپ جھُول رہا ہے۔ گیلیلیو نے ایک طرف اس لیمپ کی حرکت کو دیکھا اور دُوسری طرف اپنی نبض پر انگلیاں رکھیں تو معلُوم ہُوا کہ یہ حرکتیں بہت ہی باقاعدہ ہیں۔ چنانچہ یہاں سے اُس نے پنڈولم (گھڑی کا لنگر) ایجاد کر لیا اور ایک کلاک میں اُس کو لگا کر بھی دکھا دیا۔ اس پر اُس کے باپ نے اُسے ریاضی کے مطالعے کی اجازت دے دی۔

اُس کے بعد گیلیلیو نے ٹھوس چیزوں کا وزنِ مخصوص معلُوم کرنے کے لیے سیّالات کی ایک ترازو ایجاد کی، جس سے وہ سارے اٹلی میں مشہُور ہو گیا اور پیسا کی یونیورسٹی نے اُس کو اپنے ہاں پروفیسر مقرر کر لیا۔ یہیں گیلیلیو نے گرتے ہُوئے اجسام کے متعلق اپنے تجربے کیے اور پیسا کے جُھکے ہُوئے مینار پر سے تجربہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اُوپر سے جو چیزیں گرائی جائیں اُن کا وزن کم ہو یا زیادہ وہ ایک ہی رفتار سے نیچے گرتی ہیں۔

۱۵۹۲ء میں اُس نے پہلا تھرمامیٹر بنایا اور ۱۶۰۹ء میں جب دُوربین کی ایجاد کی خبریں سُنیں تو جھٹ پٹ خُود ایک دُوربین بنا ڈالی۔ پہلی آزمائش سے معلُوم ہُوا کہ اس دُوربین سے چیزیں صرف تگنی نظر آتی ہیں لیکن بہت جلد اُس نے تینتیس گنا بڑی چیزیں دیکھنے والی دُوربین بنا ڈالی۔

۱۶۱۳ء میں اُس نے سُورج کے دھبّوں پر ایک کتاب شائع کی۔ چُونکہ اس سے تورات اور انجیل کے بعض فقروں کی تردید ہوتی تھی اس لیے پوپ نے اُس کو ڈانٹا۔ گیلیلیو نے پوپ کا حکم ماننے کا وعدہ کر لیا لیکن چُونکہ اس کو اپنے علم پر پُورا بھروسا تھا اس لیے ۱۶۳۲ء میں اُس نے فلکیات کے متعلق ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اس پر گیلیلیو کو حکم دیا گیا کہ مذہبی عدالت کے سامنے حاضر ہو۔ وہاں اُسے دھمکایا گیا کہ تم اپنے خیالات سے توبہ نہ کرو گے تو شکنجے میں کس کر تم کو عذاب دیا جائے گا۔ گیلیلیو نے گھبرا کر توبہ کر لی اور اپنی باقی زندگی علمی تحقیقات میں بسر کر دی۔ ۸ جنوری ۱۶۴۲ء کو گیلیلیو کا انتقال ہو گیا۔

جرمن ادبیات کا بادشاہ

جوھن ولف گینگ فان گوئٹے

مغربی ادب میں گوئٹے کا درجہ بہت بلند ہے اور جرمن زبان میں اُسے وُہی مقام حاصل ہے جو شیکسپیئر کا انگریزی میں ہے۔

گوئٹے ایک وزیر کا بیٹا تھا۔ ۲۸ اگست ۱۷۴۹ء کو فرانکفرٹ (بر دریائے مین) میں پیدا ہوُا اور سولہ سال کی عمر میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لائپزگ یونیورسٹی میں بھیجا گیا۔ چونکہ اس کے ذہن کی وُسعت لامحدود تھی اور وہ اپنے دماغ کو قانونی اُمور تک محدود نہ رکھ سکتا تھا اِس لیے اُس کا زیادہ تر وقت ادبیات اور فلسفے کے مطالعے میں گزرتا تھا بہرحال کُچھ مدّت بیمار رہنے کے بعد اُس نے سٹراس بورگ میں قانون کی تعلیم پُوری کی اور اس کے ساتھ ہی علمِ کیمیا، تشریحِ اعضاء اور فنِ تعمیر کا بھی ماہر ہو گیا۔ اس کے علاوہ قدیم ادبیات کا گہرا مطالعہ بھی کرتا رہا۔

سٹراس بورگ میں اس کو ایک پادری کی اُنیس سال کی لڑکی "فریڈر کا بریون" سے محبت ہوگئی، لیکن اس سے شادی نہ ہوسکی۔ اس کے بعد کہیں ۱۸۰۶ء میں اُس نے ایک خاتون کرسچیانا وُلپس سے شادی کی۔

سٹراس بورگ کے بعد گوئٹے نے کُچھ مدّت ویزلر میں قیام کیا اور وہیں ۱۷۷۴ء میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام تھا Sorrows of werther (ورتھر کی داستانِ غم) اِس کتاب نے اُس کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ اُسی زمانے میں گوئٹے نے اپنی مشہور کتاب "فاؤسٹ" لکھنی شروع کی، جس کا ترجمہ اُردو میں بھی ہوچکا ہے۔

۱۷۷۵ء میں گوئٹے ویمر میں مقیم ہوگیا، جہاں اُس کے دوست "گرینڈ ڈیوک آف سیکس ویمر" نے اہلِ ادب کا ایک گروہ جمع کر رکھا تھا، گوئٹے اس گروہ کو سیاسیات و ادبیات پر مشورے دیا کرتا تھا۔ کُچھ مدّت بعد اُس نے سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کا سفر اختیار کیا، جس کے دَوران میں اُس نے کئی کتابیں لکھیں۔ ۱۷۹۲ء میں جرمنی نے فرانس کے خلاف جنگ کی جس میں گوئٹے بھی شامل ہُوا۔ یہ مہم ناکام رہی۔ گوئٹے نے اُس کے حالات لکھے۔ جب ۱۸۲۸ء میں ڈیوک سیکس ویمر کا انتقال ہوگیا تو گوئٹے نے سیاسیات اور معاشرے سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور بالکل تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگیا۔ ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء کو گوئٹے نے وفات پائی۔

گوئٹے حکمت و شاعری میں شیکسپیئر کا ہم پایہ نہ تھا۔ پھر بھی اُس کا تخیّل حیرت انگیز تھا۔

شہرۂ آفاق مصوّر جس نے ہوائی جہاز بنانے کی بھی کوشش کی
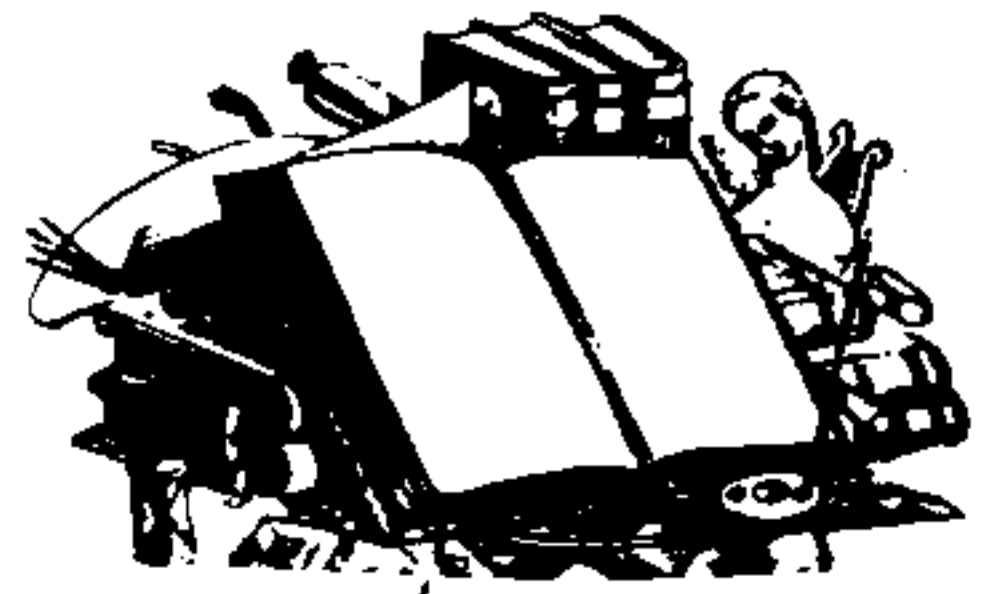
لیونارڈو

لیونارڈو ایک مصوّر کی حیثیت ہی سے مشہور نہیں بلکہ وہ "ہر فن مولا" تھا۔ مصوّری میں کمال پیدا کرنے کے علاوہ اس نے سنگ تراشی، موسیقی، انشاپردازی، انجینئرنگ، فنِ تعمیر اور سائنسی تحقیق میں بھی نام پیدا کیا، یہاں تک کہ اس نے ہوائی جہاز بنانے کی کوشش بھی کی۔

لیونارڈو ایک دولت مند مُعزز آدمی کا بیٹا تھا۔ ۱۴۵۲ء میں اٹلی کے شہر فلارنس کے پاس ونچی کے مقام پر پیدا ہوا۔ اُس زمانے میں فلارنس یورپ میں علم و فضل کا مرکز تھا۔ چنانچہ لیونارڈو کے باپ نے اُس کو بہترین تعلیم دلوائی۔ ۱۴۷۰ء کے قریب لیونارڈو ایک مشہور سنگ تراش اور مصوّر "انڈریا ویروشیو" کا شاگرد بن گیا۔ لیکن لیونارڈو کی تصاویر پر کسی خارجی فن کا اثر معلوم نہیں ہوتا، بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ لیونارڈو کی اپنی قوّتِ مُشاہدہ ہی کا کرشمہ ہے۔

۱۴۸۲ء کے قریب وہ میلان چلا گیا اور ڈیوک سفورزا کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ یہاں لیونارڈو ڈیوک کے جلوسوں اور تماشوں کا انتظام کرتا، اس کی اراضی کی آبپاشی کے لیے مشینیں لگاتا اور دُوسرے کئی کام انجام دیتا۔ مصوّری تو بہرحال جاری ہی تھی۔ ۱۴۹۸ء میں سانتامیریا کی خانقاہ کی دیواروں پر لیونارڈو نے "آخری کھانے" (عشائے ربانی) کی تصویر کھینچی۔ چونکہ دیواروں میں نم تھا اور تصویروں میں رنگ بھی اچھے نہ لگائے گئے تھے اس لیے تصویریں بہت جلد بگڑنے لگیں، لیکن ان کی مرمت اور دُرستی ہوتی رہی۔ چنانچہ صدیوں گزرنے کے بعد بھی لیونارڈو کے فن کا یہ شاہکار آج تک موجود ہے۔

افسوس ہے کہ لیونارڈو کے میلان کے زمانے کی بہت سی تصویریں نابود ہو چکی ہیں۔

۱۵۰۲ء میں لیونارڈو نے سیزر بورجیا کی ملازمت کر لی اور انجینئر اور ماہرِ تعمیر کی حیثیت سے اٹلی کے اکثر حصّوں کا دَورہ کرنے لگا۔ فلارنس واپس آنے کے بعد اُس نے اپنی بلکہ تاریخ کی مشہور ترین تصویر "مونالزا" پر چار سال صرف کیے اور اس کے بعد بھی یہی کہتا رہا کہ ابھی یہ تصویر مکمل نہیں ہوئی۔

۱۵۰۶ء میں وہ فرانس کے بادشاہ لوئی دوازدہم کا درباری مُصوّر مقرر ہوا۔ اُس نے اپنی زندگی کے آخری سال وہیں بسر کیے اور ۲ مئی ۱۵۱۹ء کو فوت ہو گیا۔

افسوس ہے کہ آج لیونارڈو کی تصویروں میں سے بہت کم موجود ہیں۔ اُن میں "پہاڑی دوشیزہ"، "یوحنا بپتسمہ دینے والا" اور "سینٹ این" مشہور ہیں۔ اُس کی تصویر "مونالزا" ۱۹۱۱ء میں پیرس کے عجائب خانہ "لوور" سے غائب ہو گئی، اس پر دُنیا بھر میں سنسنی پھیل گئی۔ دو سال بعد ایک اطالوی گرفتار ہُوا جس سے تصویر برآمد ہو گئی۔ اُس نے کہا کہ یہ اٹلی کے ایک مُصوّر کی تصویر ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ فرانس میں رہے، اس لیے میں نے چُرائی۔ اٹلی کے کئی شہروں میں لوگوں نے اس شاہکار کو بڑے شوق سے دیکھا اور آخر یہ تصویر دوبارہ لاکر "لوور" میں رکھی گئی۔

عیسائیت کا بہت بڑا مصلح

مارٹن لُوتھر

یہ نوجوان جرمن پادری ابھی تیس۳۰ سال کا بھی نہ ہُوا تھا کہ اُس نے رومن کیتھلک کلیسا کے تمام پاپاؤں اور کارڈینلوں کی مُخالفت شروع کر دی اور پراٹسٹنٹ مذہب کی بُنیاد رکھ دی جس کو یورپ کے بہت بڑے حصّے نے قبول کر لیا۔

مارٹن لوتھر ایک کانکن کا بیٹا تھا۔ ۱۰ر نومبر ۱۴۸۳ء کو جرمنی کے قصبہ "ایزل بین" میں پیدا ہُوا۔ میگڈی برگ اور آئزناخ کے سکُولوں میں تعلیم پائی اور ۱۵۰۱ء میں ایرفورٹ کی یُونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرکے فارغ ہُوا۔ اس کے بعد ایرفورٹ کی مسیحی خانقاہ میں داخل ہُوا اور ۱۵۰۷ء میں کیتھلک پادری بن گیا۔ وہ واعظ کی حیثیت سے بہت کامیاب ہُوا اور اپنی فصاحت کی وجہ سے وٹین برگ کی یُونیورسٹی میں فلسفے کا مُدرّس اور ایرفورٹ میں دینیات کا معلّم ہو گیا۔

۱۵۱۱ء میں لُوتھر روما گیا اور مذہبی دُنیا کی بدعنوانیاں دیکھیں تو اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ خاص کر بدکاریوں کی حوصلہ افزائی کے لیے مذہبی لوگ "گناہوں کی مُعافی" کو فروخت کر رہے تھے۔ لُوتھر نے واپس آکر ۹۵ اعتراض مُرتّب کیے اور دعویٰ کیا کہ پوپ کو گناہوں کی مُعافی کا کوئی حق واختیار حاصل نہیں۔ اِن اعتراضات کو اُس نے وٹین برگ کے کلیسا کے دروازے پر چسپاں کر دیا۔ اگرچہ بدکاریوں کے خلاف نجی طور پر تو لوگ ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے لیکن یہ اوّلین کُھلا احتجاج تھا اور اس پر بہت شور وغل برپا ہُوا۔

مقامی کلیسا نے لُوتھر کو حکم دیا کہ وہ توبہ کرے اور اپنے اعتراضات واپس لے۔ لُوتھر نے صاف انکار کر دیا۔ اِس پر پوپ نے اس کو روما بُلایا لیکن سیکسنی کے نواب نے لُوتھر کو پناہ دی اور لُوتھر اپنے مسلک پر قائم رہا، بلکہ پہلے سے زیادہ دلیر ہو گیا۔ اُس نے تین رسالے لکھے جن میں پُورے پاپائی نظام پر حملے کیے اور اعلان کیا کہ ہر فرد کو بائبل کی تفسیر وتاویل کا حق حاصل ہے۔ اُس سے ایک صدی پہلے اسی قسم کے خیالات ظاہر کرنے پر "جان ہس" کو مَوت کی سزا دی گئی تھی۔ پوپ نے لُوتھر کو مُقاطعہ اور اِخراج از مذہب کی دھمکی دی، جس کی لُوتھر نے وٹین برگ کے ایک جلسۂ عام میں دھجیاں اُڑا دیں۔
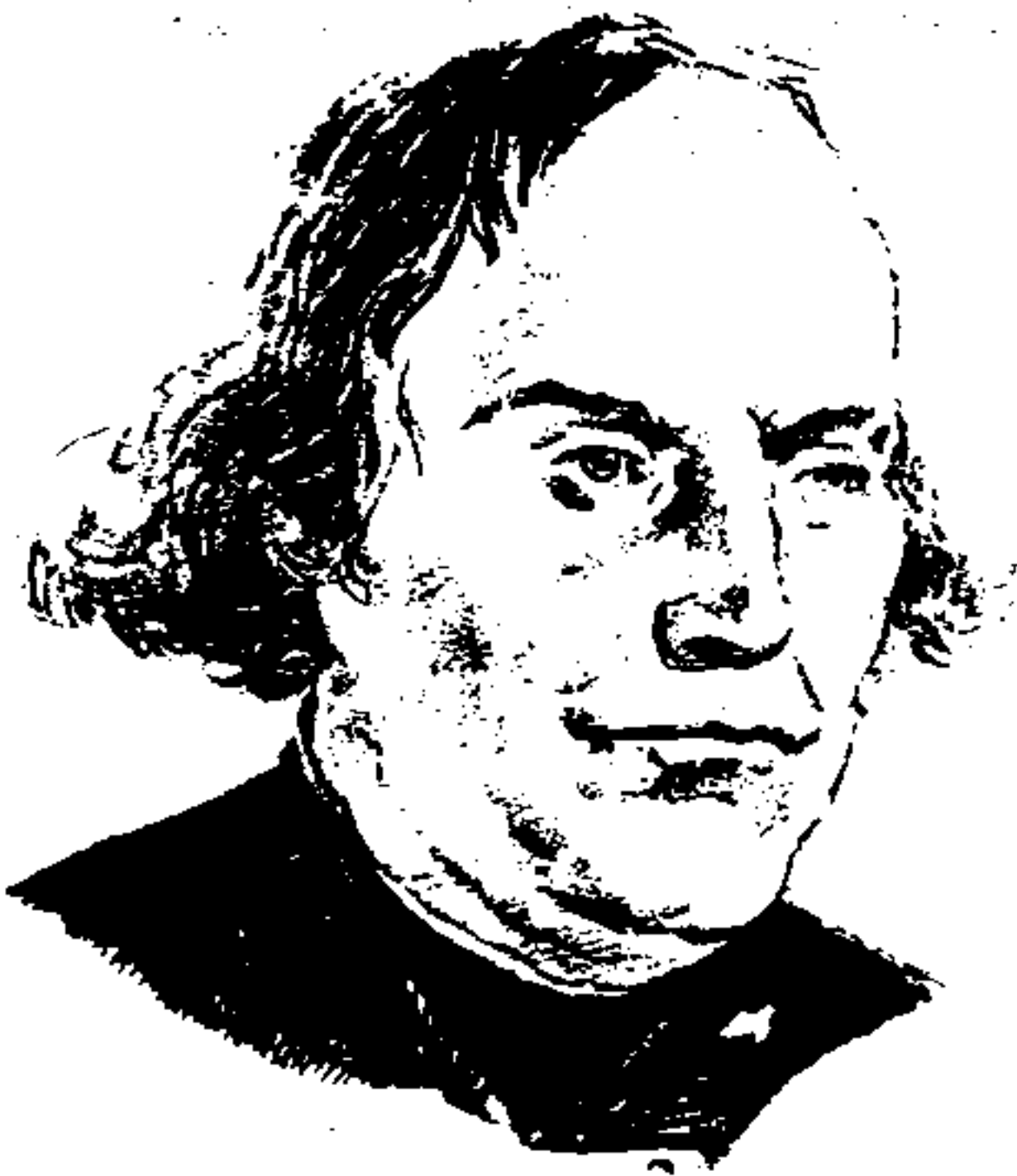
ایک اور مذہبی اجتماع میں لوتھر نے پھر توبہ کرنے سے انکار کیا، چنانچہ قلمروئے جرمنی میں اس کا بائیکاٹ کر دیا گیا لیکن اُس کے خیالات تیزی سے پھیلتے چلے گئے یہاں تک کہ ۱۵۲۰ء تک سارا جرمنی اصلاح کی آوازوں سے گُونج اٹھا۔ لُوتھر نے خود عہدنامۂ عتیق اور عہدنامۂ جدید کے ترجمے کیے۔ کلیسا کی عبادت اور نظم ونسق کی ایک نئی صُورت قائم کی۔ ایک سابق راہبہ خاتون سے شادی کی جس سے چھ بچّے پیدا ہُوئے۔ ۱۵۴۰ء میں نئے کلیسا کے خلاف پہلے ہنگامے کے سلسلے میں اُس کا نام بھی آیا، کیونکہ اُس نے فلپ آف ہیس کو دو بیویوں کی اجازت دے دی تھی۔

لُوتھر ۱۸ر فروری ۱۵۴۶ء کو اپنے مقامِ ولادت "ایزل بین" میں وفات پا گیا۔

آزادی اور جمہوریت کا بہت بڑا حامی
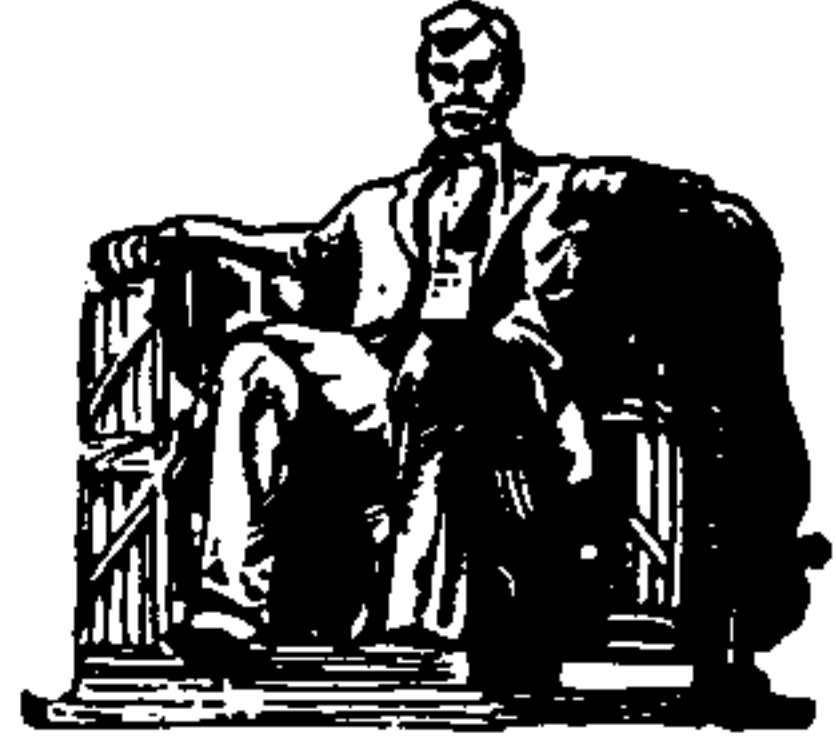
ابراہام لنکن

لنکن کی زندگی کی کہانیاں ہر امریکی کی زبان پر ہیں اور ہر امریکی اُس سے محبت کرتا ہے۔ چھوٹی عمر میں ایک دفعہ ایک کشتی میں بیٹھ کر "نیو آرلینز" گیا جہاں غلاموں کی ایک منڈی تھی۔ لنکن نے اُس منڈی میں جو منظر دیکھا وہ اُس کو تمام عمر نہ بھُولا۔ پھر وہ وکیل بنا۔ عدالتوں میں اُس کے چٹکلے اور لطیفے، اُس کی قانونی قابلیت کے کرشمے اور اس کی حاضر جوابی کے واقعات بے شمار ہیں۔ پھر وہ امریکہ کا صدر منتخب ہوا تو اُسے سخت آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا، کیونکہ اس کا پیارا وطن ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا اور جنوب و شمال آپس میں ایک خونی جنگ لڑ رہے تھے۔

لنکن ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء کو ہارڈین کاؤنٹی میں پیدا ہوا، پھر انڈیانا چلا گیا۔ وہاں ۱۸۱۶ء میں اُس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اُس کو صرف ایک سال تک باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا لیکن اُسے پڑھنے کا ایسا چسکا تھا کہ جو کتاب ملتی اُسے پڑھ ڈالتا۔ الینائے کی ایک دُکان میں کلرکی کی، پھر ایک گاؤں میں پوسٹ ماسٹر ہوا، پھر پیمائش کا کام کرتا رہا۔ آخر قانون کی تعلیم پا کر ۱۸۳۹ء میں سپرنگ فیلڈ کے مقام پر وکالت کرنے لگا۔ ۱۸۴۶ء میں کانگرس کا ممبر منتخب ہو گیا۔ اگرچہ پہلی دفعہ کچھ زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوا۔ لیکن جب ۱۸۵۸ء میں سٹیفن ڈگلس نے غلامی کا مسئلہ چھیڑا اور مباحثہ شروع ہوا تو لنکن نے غلامی کے خلاف ایسی شاندار تقریریں کیں کہ ۱۸۶۰ء میں ری پبلکن پارٹی نے اُس کو صدارت کے لیے نامزد کر دیا۔ چونکہ ڈیموکرٹوں میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اس لیے لنکن کی کامیابی یقینی ہو گئی۔

شمالی ریاستوں اور جنوبی ریاستوں کے درمیان غلامی کے مسئلے پر جو کشمکش مدت سے جاری تھی وہ بڑھتے بڑھتے تاریخ کی ایک نہایت خونریز جنگ بن گئی۔ پہلے پہلے میدانِ جنگ میں شکستیں بھی ہوئیں لیکن لنکن کے فولادی عزم اور اس کی بے نظیر دانائی نے اُس کی تمام مشکلیں آسان کر دیں۔

۱۴ اپریل ۱۸۶۵ء کو پریذیڈنٹ لنکن فورڈ تھیئٹر میں بیٹھا تھا کہ ایک سیاسی دشمن نے اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد جنوبی ریاستوں کو جنگ کے نقصانات کی تلافی میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ اگر لنکن زندہ رہتا تو اپنے جانشین سے یقیناً بہتر ثابت ہوتا اور بہتر تدبیریں اختیار کرتا۔

دیوانے کُتّے کے کاٹے کا علاج دریافت کرنے والا

لوئی پاسچر

علم کیمیا اور طبیعیات کا یہ فرانسیسی ماہر نہایت خاموش اور محنتی آدمی تھا۔ اس کی شہرت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے دیوانے کُتّے کے کاٹے کا علاج دریافت کیا۔ اس سے پیشتر دیوانے کتے کا کاٹا لاعلاج سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس سے دہشت کھاتے تھے۔

پاسچر ایک چمڑا رنگنے والے کا بیٹا تھا۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۲۲ء کو ڈولے کے مقام پر پیدا ہُوا اور ۱۸۴۷ء میں پیرس کے "ایکولے نارملے" سے گریجویٹ ہو کر نکلا۔ پہلے دیجوون میں طبیعیات کا پروفیسر مُقرر ہُوا، پھر سٹراس بورگ میں کیمسٹری پڑھاتا رہا۔ یہاں اُسے معلوم ہؤا کہ بیئر اور شراب میں بعض "بیماریاں" پیدا ہو جاتی ہیں جن کی وجہ کیمیا دانوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تخمیر کے صحیح عمل اور اس کے اسباب و اثرات لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ پاسچر یہ اسباب معلوم کرنے میں مصروف ہو گیا، دوستوں نے بہتیری حوصلہ شکنی کی لیکن وہ برابر کام میں لگا رہا اور آخر اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ بعض نظر نہ آنے والے جراثیم تخمیر پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۷۲ء میں اُس نے اپنا مشہور مقالہ شائع کیا جس کے بعد بیئر اور شراب بنانا اندھا دُھند عمل نہ رہا بلکہ سائنس کے اصُولوں کے تحت آ گیا۔

۱۸۶۵ء میں جنوبی فرانس کی ریشم کی صنعت، ریشم کے کیڑوں میں بیماری پھیل جانے کی وجہ سے خطرے میں پڑ گئی تو پاسچر نے اپنے دوست ویوما کی درخواست پر اس کا سبب بھی معلوم کر دیا۔ یہ بعض جراثیم تھے جن کے دفعیے کے لیے دوا تجویز کر دی گئی۔ اس طرح ریشم کی صنعت تباہی سے بچ گئی۔ پاسچر نے حیوانات کی ایک خطرناک بیماری "بھیڑ تپ" اور مُرغیوں کے ہیضے کا ٹیکہ بھی دریافت کر لیا۔

پاسچر نے پہلے پہل دیوانے کُتّے کے کاٹے کا علاج کُتّوں ہی پر آزمایا۔ اس کے بعد ۱۸۸۵ء میں ایک انسان پر بھی آزمایا۔ تین سال بعد پیرس میں "پاسچر انسٹی ٹیوٹ" قائم کیا گیا اور پھر دُنیا بھر میں ایسے ادارے کھولے گئے جن کا نتیجہ یہ ہے کہ اب دیوانے کُتّے کے مریضوں کی شرح اموات ایک فیصدے بھی کم رہ گئی ہے۔

۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء کو سینٹ کلاؤڈ کے مقام پر پاسچر کا انتقال ہو گیا۔

انقلابِ روس کا بانی

نکولائی لینن

لینن ۲۲ اپریل ۱۸۷۰ء کو سمبرسک کے مقام پر (جو اب الیانووسک کہلاتا ہے) پیدا ہوا۔ اس کا باپ مدرس تھا۔ لینن قازان یونیورسٹی کے مکتبِ قانون میں داخل ہوا۔ ابھی پہلی ہی جماعت میں تھا کہ طلبہ کی کسی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے سائبیریا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ ۱۸۸۹ء میں جلاوطنی ختم ہوئی اور وہ واپس آ گیا۔ اس نے کارل مارکس کی کتابیں بہت غور سے پڑھیں اور آزاد خیال سوشل ڈیموکریٹ جماعت کا لیڈر بن گیا۔ ۱۸۹۱ء سے تین سال تک سمارا میں وکالت کرتا رہا اور اس کے بعد سینٹ پیٹرزبرگ جا کر پروپیگنڈے کے کام میں مصروف ہو گیا۔

دسمبر ۱۸۹۵ء سے لے کر ۱۹۰۰ء کے اوائل تک اُسے پھر قید اور جلاوطنی کی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اس زمانے میں اُس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "روس میں سرمایہ داری کا ارتقا"۔ اس کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ جا کر ایک انقلابی اخبار کا مدیر مقرر ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء میں جب روس اور جاپان میں جنگ ہوئی تو ماسکو میں بغاوت ہو گئی مگر کامیاب نہ ہوئی۔ لینن اور اس کے بہت سے ساتھی پکڑ دھکڑ کے خوف سے ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس تجربے کے بعد لینن نے تین اصول تجویز کیے جن پر عمل کرنے سے انقلاب رونما ہو گیا۔ اصول یہ تھے۔ اول: عوام عارضی طور پر سیاسی آزادی حاصل کر لیں۔ دوم: مزدوروں، سپاہیوں اور کسانوں کی جماعتوں میں انقلابی قوت پیدا کی جائے۔ سوم: عوام پر ظلم کرنے والوں کے خلاف قوت اِستعمال کی جائے۔

لینن ۱۹۰۷ء تک خفیہ طریقوں سے کام کرتا رہا۔ روس سے باہر رہ کر اس نے روسی کمیونسٹ پارٹی (بالشویک) کو فروغ دیا۔ یہاں تک کہ فروری ۱۹۱۷ء میں جب بغاوت کے شعلے بلند ہوئے تو وہ پیٹروگراڈ پہنچ گیا۔ کیرنسکی کی حکومت کے زمانے میں لینن کو اپنا کام خفیہ طور پر انجام دینا پڑا لیکن پھر بھی اس کا نتیجہ شاندار نکلا۔ بالشویکوں کو جلد ہی اقتدار حاصل ہو گیا۔ لینن نمائندگانِ عوام کی سوویٹ کا صدر مقرر ہوا۔ پرولتاری طبقے کی آمریت قائم ہو گئی اور حکومت ماسکو میں منتقل کر دی گئی۔

۱۹۱۸ء میں لینن کو ایک سیاسی مخالف نے زخمی کر دیا لیکن وہ بچ گیا۔ اس وقت سوویٹ کی نئی سلطنت کو بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ انقلاب کے مخالفین سخت فساد برپا کر رہے تھے اور دوسری سلطنتیں سیاسی طور پر سوویٹ کی حکومت کو تسلیم نہ کرتی تھیں لیکن لینن نے ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ بیمار ہوا لیکن اس سے پہلے وہ روس کی سیاسی بنیادوں کو مضبوط کر چکا تھا۔

اس نے ۲۱ جنوری ۱۹۲۴ء کو وفات پائی۔ اس کی میت کرملین کے باہر ایک مقبرے میں محفوظ کر دی گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

اپنی قوم کو ارضِ موعود میں پہنچانے والے

حضرت موسیٰ علیہ السّلام خُدا کے بہت بڑے برگزیدہ نبی گزرے ہیں۔ یہودی انھیں اپنے مذہب کا پیشوا اور بانی مانتے ہیں۔

بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام (تقریباً ۱۴۰۰ ق م میں) مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والدین عبرانی تھے۔ جب فرعون نے حکم دیا کہ عبرانیوں کے گھروں میں جتنے لڑکے پیدا ہوں، ہلاک کر دیے جائیں تو موسیٰؑ پیدا ہوتے ہی ایک ٹوکری میں رکھ کر دریائے نیل کے حوالے کر دیے گئے۔ فرعون کی بیوی کو یہ بچّہ مل گیا اور موسیٰؑ کی ماں ہی ان کو دودھ پلانے پر مقرر کی گئیں۔ موسیٰؑ نے شاہانہ دربار میں پرورش پائی۔ جب جوان ہوئے تو ایک دن کسی مصری کو دیکھا کہ ایک اسرائیلی پر ظلم کر رہا ہے۔ آپ کو غصہ آیا۔ اور آپ نے مصری کو مار ڈالا اور سزا سے بچنے کے لیے اس صحرا میں چلے گئے جو بحیرۂ احمر کے کنارے واقع تھا۔ یہاں موسیٰؑ کئی سال تک گلّہ بانی کرتے رہے۔

پھر کوہِ طور کا واقعہ پیش آیا۔ موسیٰؑ اپنی بیوی کے لیے آگ ڈھونڈ رہے تھے کہ ایک جھاڑی میں انھیں روشنی نظر آئی۔ موسیٰ اس کو آگ سمجھ کر آگے بڑھے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں۔ اس کے بعد موسیٰؑ کو لاٹھی کے اژدہا بننے اور ہاتھ کے روشن ہونے کے معجزے دیے گئے اور حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو نیکی کی راہ دکھاؤ۔ موسیٰؑ اپنے بھائی ہارونؑ کو ساتھ لے کر فرعون کے دربار میں آئے۔ خُدا کا پیغام دیا۔ فرعون نہ مانا۔ موسیٰ نے کہا کہ تو میری قوم کو مصر سے نکل جانے کی اجازت دے دے۔ فرعون پھر بھی نہ مانا۔ اس کے بعد سات آفتیں پے در پے مصر پر آئیں تو فرعون نے عاجز ہو کر اجازت دے دی۔

جب موسیٰ اپنی قوم کو لے کر سمندر پار جا رہے تھے، تو فرعون نے بدعہدی کی اور اپنی فوج کو ساتھ لے کر ان کا پیچھا کیا۔ اس موقع پر موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے پانی پر لاٹھی ماری۔ پانی پھٹ گیا اور راستہ پیدا ہو گیا۔ بنی اسرائیل یعنی یہودی آرام سے گزر گئے، لیکن جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں پہنچا تو پانی کے دونوں حصے مل گئے اور فرعون کے سپاہی غرقاب ہو گئے۔ اب یہودیوں کو پختہ یقین ہو گیا کہ ان کا رہنما خُدا کا نبی ہے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ جزیرہ نمائے سینا میں چلے گئے۔

لیکن چونکہ "ارضِ موعود" تک پہنچنے میں بڑی دیر ہو گئی تھی، اس لیے بنی اسرائیل مضطرب ہونے لگے۔ آخر موسیٰؑ خدا کے حکم سے پہاڑ پر گئے، جہاں انھیں دس احکام کی تختیاں دی گئیں اور بنی اسرائیل کو خُدا کا پیغام پہنچایا گیا۔ جب یہ لوگ دریائے اُردن پر پہنچے تو بعض آدمی کنعان بھیجے گئے کہ حالات معلوم کر کے آئیں۔ اطلاع آئی کہ حالات خوشگوار ہیں، لیکن بنی اسرائیل ڈرتے تھے اور بغاوتیں کرتے تھے، چنانچہ ان کو سزا دی گئی کہ وہ ایک نسل تک اسی صحرا میں بھٹکتے رہیں گے۔

حضرت موسیٰؑ علیہ السلام ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن انھیں یقین تھا کہ اس جلاوطنی سے ان کی قوم کو سبق حاصل ہو گا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ پشگاہ کی پہاڑی پر چڑھ گئے جہاں سے ساری وادیٔ اُردن نظر آتی تھی۔ اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے۔

تاریخ اسلام کے پہلے بادشاہ

حضرت امیر معاویہؓ

امیر معاویہؓ اسلام میں پہلے آدمی ہیں جنھوں نے خلافت میں موروثیت کی بنیاد رکھی۔ گویا وہ پہلے مسلمان بادشاہ ہیں جنھوں نے اور قوموں کے بادشاہوں کے طریقے سے عوام پر بادشاہ اسلام کا رعب مسلط کیا۔ لیکن خلیفہ اور امیرالمومنین کے القاب بھی باقی رکھے۔

امیر معاویہؓ کئی سال تک صوبہ شام کے حاکم رہے انھوں نے بڑی دانشمندی اور حسن انتظام سے صوبے کی شادابی و خوشحالی میں اضافہ کیا حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد جب ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو معاویہؓ سے جنگ کرنے کی بجائے وہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور امیر معاویہؓ ۴۰ھ / ۶۶۱ء میں مسلمانان عالم کے خلیفہ اور امیر قرار پائے۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے خلافت راشدہ کے بجائے ملوکیت قائم کی کیونکہ غیر مسلم ممالک پر قبضہ رکھنا تھا لیکن چونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اس لیے ذاتی طور پر پرہیزگار، حلیم الطبع اور فیاض انسان تھے۔

فتح شام کے بعد عکہ میں بازنطینیوں کے جہاز سازی کے کارخانے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر جزیرہ قبرص پر بحری حملہ کیا اور بازنطینیوں کو شکست دے کر قبرص بھی فتح کر لیا۔ اہل شام امیر معاویہؓ کے وفادار رہتے اور آپ کو فوجی تنظیم کا خاص سلیقہ تھا۔ چنانچہ آپ نے پرانے قبائلی نظام کو ترک کر کے ایک اعلیٰ درجے کی منظم فوج تیار کی اور تمام محکموں کی اصلاح و ترتیب بازنطینی طور طریقوں پر کر کے بعض عالی خاندانوں اور عام عیسائیوں کو بھی اپنے محکموں کا کام سپرد کیا۔ مشہور شاعر اخطل بھی عیسائی تھا جو خلیفہ اور ان کے شہزادوں اور امیروں کو اپنے اشعار سناتا تھا۔

امیر معاویہؓ کے متعلق ان کے عرب سوانح نگاروں کی رائے یہ ہے کہ وہ سیاسیات اور عام معاشرتی تعلقات میں بے حد ضابطہ پسند، متحمل مزاج اور حلیم تھے۔ بار ہا بعض عورتوں نے ان کے سامنے ایسی باتیں کہیں جو انھیں ناگوار گزریں لیکن امیر معاویہؓ نے حلم اور رواداری سے کام لے کر ان لوگوں کے دل موہ لیے۔ ان کا قول تھا کہ جہاں میرا چابک کافی ہو وہاں میں تلوار استعمال نہیں کرتا اور جہاں میری زبان کام دے سکے وہاں چابک بھی استعمال نہیں کرتا۔ حضرت حسنؓ نے انھوں نے کہا کہ آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہونے کی حیثیت سے میری نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ خلافت کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نبھا سکیں گے تو میں آپ کی بیعت کر لیتا۔ اب آپ جو کچھ مجھ سے چاہتے ہیں ارشاد کیجیے کہ میں اس کی تعمیل کروں۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ کی تمام شرائط پوری کر دیں اور خلافت کے مالک بن گئے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں اختلاف رونما ہو گیا۔

اسی سال سے زیادہ عمر پا کر ۶۰ھ / ۶۸۰ء میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ یزید خلیفہ ہوا۔

ہندوستان کا پہلا مسلمان فاتح

محمّد بن قاسم

محمّد بن قاسم وہ سترہ سالہ اُولوالعزم اور بہادر جرنیل تھا جس نے پہلی بار برِّ عظیم پاکستان و ہند کے علاقہ سندھ میں فاتحانہ قدم رکھا اور اپنی جرأت، بہادری، دانش مندی، حکمت اور حُسنِ سلوک سے غیروں کو اپنا بنا لیا۔

اس زمانے میں عرب تاجر خلیج فارس اور بحیرۂ عرب کے راستے دُور دُور تک مالِ تجارت لے جاتے تھے اور ان میں سے بہت سے انھیں مشرقی ملکوں میں آباد ہو گئے تھے۔

ایک دفعہ لنکا سے ایک جہاز بصرے جا رہا تھا۔ اس جہاز میں مالِ تجارت اور تحفے تحائف کے علاوہ بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی تھے جن کے خاوند اور باپ لنکا میں مر گئے تھے۔ اس جہاز کو سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا اور مسافروں کو پکڑ کر لے گئے۔

جب اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے گورنر حجاج بن یُوسف کو یہ خبر ملی تو اس نے سندھ کے راجہ داہر کو خط لکھا کہ ڈاکوؤں کو سزا دو، قیدیوں کو چھڑا کر یہاں بھیج دو، اور ان کا مال، اسباب بھی واپس کر دو۔ داہر نے جواب دیا کہ میں ڈاکوؤں کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔

اس پر حجّاج نے خلیفہ سے اجازت لے کر سندھ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اپنے بھتیجے اور داماد محمّد بن قاسم کی کمان میں چھ ہزار فوج سندھ بھیجی۔ نوجوان سپہ سالار نے سندھ پہنچتے ہی دیبل پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر عرب بھیج دیا۔ اس کے بعد متعدد لڑائیاں لڑیں اور آخر راجا داہر کی ساٹھ ہزار فوج کو جس میں جنگی ہاتھی بھی تھے شکست فاش دی۔ ۲ر جون ۷۱۲ء کو راجا داہر مارا گیا اور محمّد بن قاسم پُورے سندھ پر قابض ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔

فتح سندھ کے بعد محمّد بن قاسم نے ملک کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ سندھ کے ہندو اس کا کلمہ پڑھنے لگے اور بہت سے ہندو سپاہی اس کی فوج میں شامل ہو گئے اور فوج کی رہنمائی کا کام اکثر معتمد ہندوؤں ہی کے سپرد تھا۔

محمّد بن قاسم نے پنڈتوں اور برہمنوں کا احترام کیا اور ان کو مندروں میں اپنے طریق پر عبادت کرنے کی کامل آزادی دی۔ حکومت کا زیادہ تر کام ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب محمّد بن قاسم خلیفہ کی طلبی پر واپس جانے لگا تو ہندو اس کے احسانات یاد کر کے روتے تھے۔

محمّد بن قاسم فتح کے پھریرے اُڑاتا ہوا مُلتان پہنچ گیا۔ یہاں اُسے خبر ملی کہ حجّاج مر چکا ہے اور ساتھ ہی حکم پہنچا جہاں ہو وہیں رُک جاؤ آگے نہ بڑھو اور سپہ سالاری کا عہدہ چھوڑ کر واپس آ جاؤ۔ محمّد بن قاسم نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت عراق کا گورنر ایک ایسا شخص تھا جو حجّاج اور اس کے عزیزوں کا دشمن تھا۔ اُس نے محمّد بن قاسم کو (۹۶ھ یا کچھ بعد) گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ یہیں یہ بہادر، دانا اور مُنصف مزاج سپہ سالار بائیس چوبیس سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

علم دوست
عبّاسی خلیفہ

مامونُ الرّشید

خلیفہ ہارونُ الرّشید کے ذکر کے ساتھ اس کے لائق بیٹے اور جانشین مامونُ الرّشید کا ذکر بھی آتا ہے، جو اپنی بعض خوبیوں اور علم دوستی کے باعث مُسلمان سلاطین میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔

اصلی نام عبداللہ تھا۔ ۷۸۶ء میں پیدا ہُوا۔ یہ ہارُون الرّشید کا دوسرا بیٹا تھا، ہارون کے بعد پہلے امین الرّشید خلیفہ ہُوا۔ مامون الرّشید خاندان عباسیہ کا ساتواں خلیفہ تھا۔ سب سے پہلے اُسے پانچ سال تک امین سے جنگ کرنی پڑی، آخر امین قتل کر دیا گیا اور مامون ستمبر ۸۱۲ء میں خلیفہ ہوگیا۔ کُچھ مُدّت کے بعد علویوں کی بغاوت کے باعث وہ سخت خطرات میں مبتلا ہوگیا، لیکن جب امن بحال ہوگیا تو مامونُ الرّشید نے خراسان میں ایک عالیشان مدرسہ قائم کیا اور علوم و فنون کی سرپرستی میں مصروف ہوگیا۔ اقلیدس کا پہلا ترجمہ عربی میں مامونُ الرّشید ہی کے ایما پر کیا گیا اور اسی کے نام سے معنون ہُوا۔ اُس نے بغداد اور دُوسرے مقامات پر رصدگاہیں قائم کیں اور فلکیات کے متعلق مختلف تحقیقاتیں اور پیمائشیں کرائیں۔ مامونُ الرّشید کے زمانے میں جو زیچ تیار کی گئی اس کو "زیچ مامونی" کہتے ہیں۔ اور ہیئت کے متعلق اس کی بعض تفصیلات آج تک بالکل دُرست سمجھی جاتی ہیں۔

آگے چل کر مامون نے فرقہ مُعتزلہ کے بعض عقائد اختیار کر لیے اور ان کی حمایت میں بعض علمائے اسلام کو موردِ عتاب بھی رکھا۔ غرض وہ علم و فن اور دین و مذہب میں تحقیق و اجتہاد کا حامی تھا اور بلا چون وچرا قدیم عقائد اور خیالات پر کاربند رہنا ضروری نہ سمجھتا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ نہایت راسخ العقیدہ مُسلمان تھا۔

آخری ایام میں مامونُ الرّشید نے یونانیوں کے خلاف مہمات کا آغاز کیا اور مصر اور ایشیائے کوچک میں خود فوجوں کی کمان کرتا رہا۔ ۸۳۳ء میں جب وہ یُونانیوں کے خلاف یلغار کر رہا تھا تو طرطوس کے قریب آخری وقت آن پُہنچا۔ اس موقع پر اُس نے وصیت کی کہ میرے چھوٹے بھائی معتصم کو میرا جانشین بنایا جائے۔

اسی سال اس قابلِ قدر خلیفہ کا انتقال ہوگیا۔

فاتحِ اعظم اور علم دوست بادشاہ

سُلطان محمُود غزنوی ؒ

محمد بن قاسم کے حملے کے کوئی تین سو سال بعد غزنیں کے ایک مسلمان ترک بادشاہ نے ہندوستان پر لگاتار سترہ حملے کیے اور ہر بار فتح ونصرت نے اس کے قدم چومے وہ قلبِ ہند اور گجرات کاٹھیاواڑ میں بحیرۂ عرب کے ساحل تک جا پہنچا، مگر اس نے اپنی سلطنت کو لاہور ہی تک محدود رکھا۔ یہ سبکتگین کا بیٹا محمود غزنویؒ تھا، جس کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔

محمود ۹۷۱ء میں پیدا ہوا۔ چھ برس کا تھا کہ باپ غزنیں کا بادشاہ بنا۔ پندرہ سال کی عمر میں باپ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہونے لگا اور اس کی بہادری اور جرأت کے چرچے ہونے لگے۔ چنانچہ سبکتگین نے اس کو خراسان کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ تعلیم نہایت عمدہ پائی تھی۔ فقہ، حدیث، تفسیر کی کتابیں پڑھیں، قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی عمر میں فقہ پر خود ایک کتاب بھی لکھی۔

شمالی ہند کا راجہ جے پال سبکتگین کے زمانے میں دو دفعہ غزنیں پر حملہ کر چکا تھا۔ جب محمود چھبیس سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا تو جے پال نے تیسری دفعہ حملہ کر دیا۔ محمود نے اس کو سخت شکست دی اور گرفتار کر لیا۔ راجہ نے بڑے وعدے وعید کر کے رہائی حاصل کی۔ اس کے بعد شرم کے مارے چتا میں جل کر مر گیا اور اپنے بیٹے انند پال کو وصیت کر گیا کہ محمود سے نہ لڑنا اور سالانہ خراج ادا کرتے رہنا۔ لیکن انند پال نے باپ کی وصیت کو بھلا دیا اور ہندوستان بھر کے راجاؤں کی فوجیں جمع کر کے تین لاکھ لشکر فراہم کیا۔ لیکن محمود کے ہاتھوں پھر شکست کھائی۔ اس کے بعد ہندوؤں کے کئی راجاؤں سے محمود کی لڑائیاں ہوئیں اور آخر راجپوتانے کا لق ودق صحرا عبور کر کے اُس نے سومنات بھی فتح کر لیا۔ محمود کی فوج ہر جنگ میں ہندوؤں کی فوج کے مقابلے میں بہت کم ہوتی تھی لیکن مسلمانوں کی قوتِ ایمانی ان کو ہر معرکے میں فتح یاب کر دیتی تھی۔

محمود غزنویؒ ایک سپہ سالار اور فاتح کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ علم وفن کی سرپرستی کے اعتبار سے بھی بے نظیر حکمراں تھا۔ بڑے بڑے عالم اور شاعر اس کے دربار میں موجود رہتے۔ فردوسی کی سرپرستی کر کے اس نے "شاہنامے" کی تکمیل کرائی۔ غزنیں میں بڑے بڑے مدرسے قائم کیے۔ اہلِ علم کی امداد پر لاکھوں روپیہ سالانہ صرف کرتا۔ وہ نہایت نیک دل مسلمان تھا۔ اس نے کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا اور کسی کو میدانِ جنگ کے باہر قتل نہیں کیا۔

۱۰۲۴ء میں محمود غزنوی نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں مستقلاً شامل کر لیا۔ ۱۰۲۶ء میں سومنات فتح کیا اور ۱۰۳۰ء میں ۵۹ سال کی عمر پا کر انتقال کر گیا۔ غزنیں کے موجودہ قصبے سے تین میل باہر اس کا مقبرہ ہے۔

سُلطانُ الہند
خواجہ غریب نواز

حضرت معینُ الدّین چشتی اجمیریؒ

داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ کے بعد ہندوستان میں تبلیغِ اسلام کا کام حضرت خواجہ معینُ الدین چشتی اجمیری نے شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں علوم دینی اور تصوف کے کئی مرکز ملک کے گوشے گوشے میں قائم ہوگئے۔

خواجہ صاحب کے والد محترم سید غیاثُ الدین تھے۔ آپ ۵۲۷ھ میں اصفہان کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کا اصلی وطن خراسان تھا۔ تیرہ برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی طبیعت دنیا داری سے نفور اور علم و روحانیت کی طرف مائل تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی جائداد فروخت کر دی اور حصولِ علم کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے سمرقند گئے۔ ضروری تعلیم حاصل کرنے اور قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد نیشاپور کے قریب خواجہ عثمان ہارُونی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیس برس تک اُن سے فیضِ روحانی حاصل کیا۔ بڑے بڑے اولیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مکہ و مدینہ بھی گئے اور اسی رُوحانی محنت و ریاضت میں بیس برس گزارنے کے بعد خواجہ عثمان ہارُونیؒ کے حکم سے ہندوستان میں تبلیغِ اسلام پر مامُور ہوئے۔ آپ کے رُفقاء اور مشہور مُریدوں میں خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ بھی تھے ۵۸۹ھ میں سُلطان شہابُ الدین محمّد غوری کے زمانے میں آپ لاہور پہنچے اور داتا گنج بخشؒ کے مزار پر چلّہ کھینچا۔ آپ کا حجرۂ اعتکاف داتا صاحب کے دربار میں اب تک موجُود ہے۔

خواجہ معینُ الدینؒ اسلامی سلطنت کے علاقے میں مقیم ہونے کے بجائے ہندوؤں کے راج میں چلے گئے، یعنی دہلی ہوتے ہُوئے اجمیر پہنچے، جو پہلے پرتھی راج کی راجدھانی تھی۔ محمّد غوری کی لڑائیوں کے دَوران میں بھی خواجہ اجمیر ہی میں رہے۔ ہندو جوگیوں اور جادُوگروں نے حضرت خواجہؒ سے بہت مقابلے کیے، جن کے جواب میں خواجہؒ سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں اور اسلام کی صداقت کا غلغلہ چاروں طرف پھیل گیا۔ آپ کی تشریف آوری کے آٹھ سال بعد پرتھی راج مارا گیا۔ محمّد غوری بادشاہ ہُوا اور حضرتِ خواجہؒ کی برکت سے لاکھوں انسان راہِ راست پر آگئے۔ بہت سے مریدوں نے جابجا اپنے مرکز بنا لیے۔ خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی دہلی میں رہے اور باقی حضرات نے یو۔پی، بہار وغیرہ میں نورِ حقیقت پھیلایا۔

خواجہ معینُ الدینؒ نے ۹۶ سال کی عمر پائی اور یہ ساری عمر حصولِ علم، ریاضتِ نفس، صحبتِ صالحین، تبلیغِ اسلام اور فیضِ رُوحانی میں بسر ہوئی۔ تقریباً ترپن برس صرف اجمیر میں بسر کیے۔ ۶ رجب ۶۳۳ھ (۱۶ مارچ ۱۲۳۵ء) کو انتقال ہُوا۔ آپ کی درگاہ بڑے بڑے مغل بادشاہوں کا مرجع رہی ہے اور آج بھی ہزاروں مسلمان کسبِ فیض کے لیے اجمیر شریف حاضر ہوتے ہیں۔

یورپ کو مشرق سے آشنا کرنے والا

مارکو پولو

مارکو پولو دنیا کا سب سے مشہور سیاح گزرا ہے۔ ۱۲۵۴ء میں وینس (اٹلی) کے ایک اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوا۔ مارکو پولو کی پیدائش کے وقت اس کا باپ اور چچا قبلائی خان اعظم سے ملاقات کے لیے چین گئے ہوئے تھے، وہ ۱۲۶۹ء میں واپس اٹلی پہنچے۔ کچھ عرصے بعد مارکو پولو کا چچا اسے ساتھ لے کر پھر چین روانہ ہوا اور ۱۲۷۵ء میں صحرائے گوبی عبور کر کے قبلائی خان کے دربار میں حاضر ہوا۔

نوجوان سیاح نے بہت جلد شہنشاہ کے دل میں گھر کر لیا۔ چنانچہ قبلائی خان نے مارکو پولو کو اپنا سفیر بنا کر برما، کوچین چائنا اور جنوبی ہندوستان بھیجا۔ بعد میں خان اعظم نے اس کو اپنے ایک صوبے کا حاکم بھی مقرر کر دیا تھا۔ چین میں مدتِ دراز تک رہنے کے بعد ان دونوں اطالویوں نے کسی نہ کسی طرح شہنشاہ سے وطن جانے کی اجازت لے لی اور ایک منگول شہزادی کو ساتھ لے کر سماٹرا اور جنوبی ہندوستان کے راستے ایران پہنچے اور روانگی کے کوئی چوبیس سال بعد آخر ۱۲۹۵ء میں وینس پہنچ گئے۔ اگرچہ وہ چین سے بے شمار جواہرات اور بے اندازہ ریشمی کپڑے لے کر واپس آئے تھے لیکن پہلے پہل ان کو کسی نے نہ پہچانا، بلکہ ان کو ان کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہ دی گئی۔

۱۲۹۸ء میں وینس کی جنیوا والوں سے لڑائی ہوئی جس میں مارکو پولو نے اپنے خرچ پر ایک جہاز پیش کیا ۷ ستمبر کو جزیرہ کرزولا کی لڑائی میں وہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ سال بھر اسے جیل خانے میں رہنا پڑا۔ انھیں دنوں اس نے اپنے ایک ساتھی قیدی کو اپنا سفرنامہ لکھوایا، جو بے انتہا دلچسپ کتاب ہے۔ ۱۲۹۹ء کے جولائی یا اگست میں وہ رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی زندگی کے حالات معلوم نہیں، صرف اتنا یقینی ہے کہ ۹ جنوری ۱۳۲۴ء کو اس نے ایک پادری اور ایک وکیل کو طلب کر کے اپنی وصیت لکھوائی اور اسی دن وفات پا گیا۔

مارکو پولو نے اپنے سفرنامے میں مختلف مشرقی ملکوں کی تاریخ اور ان کی رسوم کا حال لکھا ہے اور چنگیز خاں اور اس کے پوتے قبلائی خاں کے متعلق تفصیلات بھی دی ہیں۔ مدتِ دراز تک یورپ کے پاس ایشیا کے متعلق معلومات کا یہی ایک ماخذ تھا۔ اس کی بعض کہانیاں اس قدر دلفریب ہیں کہ بعض لوگوں کو ان پر گپ کا شبہ ہوا لیکن آج کل کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنیادی طور پر وہ صحیح ہیں۔

قسطنطنیہ کا سب سے پہلا مسلمان فاتح

سُلطان محمّد فاتح

سُلطان محمّد فاتح کا نام تاریخِ اسلام میں اس لیے درخشاں ہے کہ اس نے مسیحی بازنطینیوں کے قبضے سے قُسطنطنیہ کو نجات دلائی اور اس کو سلطنت اسلامی میں شامل کیا۔ یہ بادشاہ بے حد شائستہ، ادب و شعر کا قدردان اور اعلیٰ درجے کا سخی اور فیاض تھا۔

سُلطان محمّد فاتح ترکانِ عثمانی کے سلسلۂ سلاطین میں محمّد ثانی کے نام سے موسوم ہے۔ وہ سُلطان مُراد ثانی کا سب سے عزیز فرزند تھا۔ ۱۴۳۱ء کے قریب پیدا ہُوا۔ اس کے باپ نے وصیت کی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے قسطنطنیہ کو ضرور فتح کرنا، کیونکہ جب تک یہ دشمن کے قبضہ میں ہے سلطنت عثمانیہ ہمیشہ مشکلات کا شکار رہے گی۔ چنانچہ محمّد فاتح نے ۱۴۵۱ء میں تخت نشین ہوتے ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ محمد اول نے قسطنطنیہ کے سامنے مشرقی ساحل پر ایک قلعہ بنایا تھا۔ محمد ثانی نے تین مہینے کے اندر یورپی ساحل پر دو ہزار کاریگروں کی مدد سے ایک اور قلعہ تعمیر کر دیا جس کو رومیلیا حصار کہتے ہیں اور جو آج تک موجود ہے۔

اس کے بعد قسطنطنیہ کے محاصرے کی تیاری شروع کر دی۔ بڑی بڑی توپیں بنوائیں، سمندر کا رستہ بند کرنے کے لیے جنگی کشتیاں بھیجیں اور خود ادرنہ سے نوّے ہزار فوج لے کر چلا۔ رومیوں نے سمندر میں زنجیریں باندھ رکھی تھیں اس لیے ترکوں کا بیڑا داخل نہ ہو سکا۔ اس پر سلطان محمد ثانی نے خشکی پر چھ میل تک لکڑی کے تختے بچھوا کر انھیں چربی سے چکنا کیا اور راتوں رات ان تختوں پر سے کشتیوں کو دھکیلتا ہوا صبح باسفورس میں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے پہنچ گیا۔ رومیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عثمانیوں کا بیڑا خشکی پر سفر کر کے بندرگاہ میں پہنچ جائے گا۔ وہ سخت بدحواس ہو گئے۔ ۲۲ مئی ۱۴۵۳ء کو عام حملے کا اعلان ہوا۔ قسطنطنیہ کا قبضہ ہو گیا۔ گولہ باری سے فصیل ٹوٹی اور شیرانِ اسلام دھاڑتے ہوئے قسطنطنیہ کے شہر میں داخل ہو گئے۔ سلطان آیا صوفیہ کے گرجا میں گیا اور نماز ظہر ادا کی۔ یہ وہ شہر تھا جس کے فاتح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی اور امیر معاویہؓ کے عہد سے لے کر اس وقت تک کئی مہمیں اس شہر کو فتح کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ اس فتح کی وجہ سے سلطان محمد ثانی کو فاتح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلطان محمد فاتح بہترین سپہ سالار ہونے کے علاوہ علم و فن کا قدردان اور خود ہفت زبان عالم تھا۔ ۱۴۸۰ء میں سلطان اٹلی پر حملہ کرنے کے لیے ایک زبردست مہم کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ موت نے آ لیا، ورنہ اٹلی کی تاریخ بالکل مختلف الفاظ میں لکھی جاتی۔

☆

ریڈیم دریافت کرنے والی عورت

مادام ماری کیوری

۷ رنومبر ۱۸۶۷ء کو وارسا میں پیدا ہوئی اور ابتداً اپنے باپ سے تعلیم حاصل کرتی رہی۔ انہی دنوں وارسا میں طالب علموں کی ایک انقلابی انجمن قائم ہوئی اور پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔ اس پر ماری وارسا سے بھاگ کر کراکاؤ پہنچی اور وہاں سے پیرس چلی گئی۔ سوربون یونیورسٹی میں اس کی ملاقات اُس نوجوان سے ہوئی جو اس کا شوہر بننے والا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں اس کی شادی پیئر کیوری سے ہوئی۔ شادی کو ابھی ایک ہی سال گزرا تھا کہ ماری نے ان تجربوں کا حال پڑھا جو مشہور سائنس داں ہنری بیکرل یورنیم دھات کے نمکوں کی تابکاری کے متعلق کر رہا تھا۔ ماری کو تابکاری کی تحقیق کا بے حد شوق ہوا۔ چنانچہ اُس نے اس کام پر محنت شروع کردی۔ اس کا شوہر پیئر بھی سائنس کا طالب علم تھا۔ دو سال بعد وہ بھی ماری کا شریک کار بن گیا۔

ماری کو معلوم ہوا کہ تھوریم کے عنصر سے بھی اس قسم کی شعاعیں نکلتی ہیں جو بیکرل کے یورینیم سے خارج ہوتی ہیں۔ اس نے شعاعوں کے اس عمل کا نام "ریڈیائی فعالیت" رکھا۔ پھر اس نے یورنیم کی ان شعاعوں کی طاقت معلوم کی جو قیرانی خاک پتھر سے خارج ہوتی تھیں۔ اس آزمائش سے اس پر انکشاف ہوا کہ اس کچی دھات میں کوئی اور عنصر بھی موجود ہے جس میں "ریڈیائی فعالیت" یورینیم سے بھی زیادہ ہے۔ میاں بیوی سال بھر محنت کرتے رہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کچی دھات میں ایک نہیں بلکہ دو عنصر موجود ہیں ــ پولونیم اور ریڈیم۔ لیکن اس کے بعد چار سال تک سخت مشقت کرنے کے بعد انھوں نے اصلی ریڈیم کلورائڈ کا ۱/۱۰ گرام پیدا کیا جس سے اس کا جوہری وزن متعین کیا جاسکتا تھا اور وہ اپنی دریافت کو دُنیا کے سامنے ثابت کرسکتے تھے۔ ان میاں بیوی کو سائنس کی دُنیا نے سر پر اُٹھالیا۔ ۱۹۰۳ء میں ان کو سائنس کا نوبل پرائز ملا جس میں بیکرل بھی شریک تھا۔ ۱۹۰۶ء میں پیئر کا اِنتقال ہوگیا لیکن مادام کیوری ریڈیم کی تحقیق میں برابر مصروف رہی اور ۱۹۱۱ء میں دوبارہ نوبل پرائز حاصل کیا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ سوربون یونیورسٹی میں اپنے شوہر کی جگہ طبیعیات کی پروفیسر مقرر کردی گئی۔ دُنیا کی تاریخ میں وہ پہلی عورت تھی جسے کسی فرانسیسی یونیورسٹی میں اس قسم کا عہدہ ملا۔ ۴ رجولائی ۱۹۳۴ء کو وہ والیس کے ایک شفاخانے میں وفات پائی۔

ایک قطرۂ خون بہائے بغیر ملک حاصل کرنے والا قائدِ اعظم محمّد علی جناحؒ

زمانۂ حاضر میں محمّد علی جناح کی شخصیت اس اعتبار سے بے نظیر ہے کہ اُنھوں نے محض اپنے تدبّر سے کام لے کر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر دُنیا میں ایک نئی اور آزاد ریاست قائم کی۔ یہ ریاست پاکستان ہے جس کے قیام سے قائدِ اعظمؒ نے آٹھ کروڑ انسانوں کو انگریز کے اقتدار اور غیر مُسلموں کے تسلّط سے ہمیشہ کے لیے آزاد کیا۔

محمّد علی جناح ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پُونجا جناح راجکوٹ (کاٹھیاواڑ) کے رہنے والے تھے اور کراچی میں چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ محمّد علی جناح ابھی بچّے ہی تھے کہ والد نے ان کو بمبئی کے ایک پرائمری سکول میں داخل کرا دیا یعنی بچپن ہی میں انھیں ماں باپ سے الگ رہ کر نڈر اور باہمّت بننے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد اُنھیں کراچی کے مشن سکول میں داخل کر دیا گیا۔ سولہ سال کی عمر میں میٹرک کیا اور انگلستان بیرسٹری کی تعلیم کے لیے بھیج دیے گئے۔ بیس سال کی عمر میں بیرسٹر بن کر واپس آئے۔

اس چار سال کی مُدّت میں باپ کا کاروبار بگڑ گیا تھا۔ خاندان غریبی کا شکار ہو رہا تھا۔ محمّد علی جناح کو اپنی وکالت میں بھی ترقی کی کوئی صُورت نظر نہ آتی تھی۔ چھ مہینے کے لیے آپ بمبئی کے پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر کیے گئے لیکن ملازمت آپ کی طبیعت کے موافق نہ تھی، اس کو چھوڑ کر بیرسٹری شروع کی اور کئی ہزار روپیے ماہانہ کمانے لگے۔

سیاسیات میں محمّد علی جناح سب سے پہلے ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے رُکن بنے پھر مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور طویل عرصے تک قوم کی خدمات انجام دیں۔ اگرچہ جناح مسلم لیگ کے علاوہ کانگرس کے بھی حامی تھے لیکن کچھ مُدّت بعد ان کو محسُوس ہُوا کہ ہندو ان کی قوم سے انصاف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں، چنانچہ اُنھوں نے علامہ اقبالؒ کے مشورے سے مُسلم لیگ کے جھنڈے تلے تمام مُسلمانوں کو جمع کیا اور ۱۹۴۰ء میں مُسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں پاکستان قائم کرنے کی قرارداد منظور ہوئی۔ ہندوستان کے مُسلمان جوق در جوق قائدِ اعظم محمّد علی جناح کے حامیٔ پاکستان کی حمایت کرنے لگے۔ آخر چند سال بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہو گیا اور قائدِ اعظمؒ اس کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

سالہا سال کی مُسلسل محنت سے قائدِ اعظمؒ کی صحت بہت خراب ہو چکی تھی۔ وہ بیماری کی حالت میں بھی اپنی بنائی ہوئی نئی مملکت کا کام نہایت محنت سے انجام دے رہے تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ قیامِ پاکستان کے صرف تیرہ مہینے بعد ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے اس معمار نے اپنی جان اپنے پیدا کرنے والے کو سونپ دی لیکن جب تک یہ ملک قائم ہے کروڑوں انسان اپنے اس محسن کی یاد کو سینے سے لگائے رہیں گے۔

مسلمانانِ ہند کو جذباتِ اسلامی سے سرشار کرنے والا رہنما

رئیس الاحرار مولانا محمد علی

مولانا محمد علی ہمارے دور کے مسلمان رہنماؤں میں بے نظیر شخصیت تھے۔ اعلیٰ درجے کے انگریزی داں، چابکدست انشا پرداز اور صحافی، اردو کے ادیب اور شاعر، پُرجوش خطیب اور سیاسی رہنما، بہادر اور صاف گو، خدا پرست مسلمان۔

۱۸۷۸ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ (بی اماں) نے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ بریلی اسکول میں تعلیم پانے کے بعد علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں بی اے کا امتحان دیا تو صوبے بھر میں اول آئے۔ بی اماں اور بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے، جو سرکاری ملازم تھے، محمد علی کو سول سروس کے لیے انگلستان بھیجا۔ محمد علی سول سروس میں تو کامیاب نہ ہوئے لیکن آکسفورڈ سے بی اے کی ڈگری لے آئے سب سے پہلے رام پور اور بڑودہ میں اونچی ملازمتوں پر فائز ہوئے لیکن جنوری ۱۹۱۰ء میں ملازمت ترک کر دی۔ جاورہ اور بھوپال نے وزارت کے عہدے پیش کیے لیکن مولانا نے انکار کر دیا اور کلکتہ سے انگریزی کا ہفتہ وار اخبار "کامریڈ" نکالا جس کی زبان اور مدلل بیان کی دھوم مچ گئی۔ جب ہندوستان کا پایۂ تخت کلکتہ کے بجائے دہلی قرار پایا، تو مولانا "کامریڈ" کو بھی دہلی لے آئے اور ایک اردو روزنامہ "ہمدرد" بھی جاری کر دیا۔

پہلی جنگ عظیم چھڑی تو مولانا نے "کامریڈ" میں کئی صفحوں کا ایک مضمون "ترکوں کی پسند" کے عنوان سے لکھا۔ اس سے حکومت سخت پریشان ہوئی۔ اس نے مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کو نظر بند کر دیا اور دونوں اخبار بند ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں نظر بندی سے رہا ہوئے۔ تحریک خلافت میں حصہ لیا، کراچی میں مقدمہ چلا اور قید ہو گئے۔ اس کے بعد چونکہ ہندوؤں کا رویہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق مخالفانہ ہو گیا تھا، مولانا کانگرس سے نکل آئے۔ صحت روز بروز خراب ہو رہی تھی۔ لندن میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا کو بھی دعوت دی گئی۔ وہ بیماری کی حالت میں وہاں پہنچے اور دن رات ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کے حقوق کے لیے کام کرتے رہے۔ گول میز کانفرنس کے اجلاس میں ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فرمایا کہ میں یا آزادی حاصل کر کے جاؤں گا یا یہیں مر جاؤں گا۔ غلام ملک میں واپس جانے سے آزاد ملک میں مر جانا بہتر ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہیں ۱۹۳۱ء میں جان جانِ آفریں کو سپرد کر دی۔ فلسطین کے مسلمان ان کی میت کو بیت المقدس لے گئے۔ وہاں پر لاکھوں مسلمانوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور وہیں سپردِ خاک کر دیا۔ صرف باون سال کی عمر پائی۔

ترکوں کو حیاتِ تازہ بخشنے والا جرنیل اور مدبّر

اتاترک مصطفیٰ کمال

یورپ کی پہلی جنگِ عظیم کے بعد ترک قوم کے دوبارہ زندہ ہونے کی اُمید ختم ہو چکی تھی اور "یورپ کا مردِ بیمار" اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا لیکن دفعتہً اس قوم سے ایک ایسا جوانمرد اُٹھا جس نے دو برس کے اندر ترکوں کو از سرِ نو زندہ کر دیا اور آج ترک دُنیا کی معزز ترین قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔

مُصطفیٰ کمال کا باپ سالونیکا میں چنگی کا محرر تھا۔ پھر لکڑی کا بیوپار کرنے لگا۔ ۱۸۸۰ء میں اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مُصطفےٰ کمال رکھا گیا۔ ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ ماں بہت دیندار لیکن نہایت غریب خاتون تھی۔ اُس نے مُصطفےٰ کمال کو ایک دینی مدرسے میں داخل کر دیا۔ لیکن مُصطفےٰ کو بچپن ہی سے فوجی افسر بننے کا شوق تھا چنانچہ وہ خود فوجی اسکول میں داخل ہو گیا اور ۱۹۰۴ء میں فوجی کالج سے لیفٹیننٹ بن کر نکلا۔

نوجوان اور تعلیم یافتہ ترکوں نے سلطان عبدالحمید کے استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے انجمنِ اتحاد و ترقی قائم کر رکھی تھی، مُصطفیٰ کمال بھی اس کا رکن بن گیا لیکن جب سُلطان تخت سے اُتار دیا گیا تو مُصطفیٰ نے اپنی پُوری توجہ فوج کی طرف مبذول کر دی، طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں دادِ شجاعت دی۔ ۱۹۱۴ء میں یورپ کی پہلی جنگِ عظیم چھڑی جس میں مُصطفیٰ کمال کو گیلی پولی میں متعین کیا گیا یہاں اُس نے انگریزوں کو پے در پے شکستیں دیں لیکن جنگ کے خاتمہ پر ترکوں اور اُن کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی۔ انگریز قسطنطنیہ پر قابض ہو گئے۔

مُصطفیٰ کمال قوم کی اس تباہی پر تڑپ اُٹھے۔ آخر قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک پہنچ گیا اور قوم کی بچی سہی فوجی طاقت کو انتہائی محنت اور جفاکشی سے منظم کیا۔ یونانیوں نے انگریزوں کے ایما پر حملہ کر دیا لیکن غازی مصطفیٰ کمال نے سمرنا کے مقام پر ان کو شکست دی۔ مسٹر لائڈ جارج وزیرِ اعظم برطانیہ اس پالیسی کے ناکام ہو جانے پر مستعفی ہو گئے اور ترک قوم نے لوزان کے مقام پر بنیا معاہدۂ صلح کر کے اپنی آزادی محفوظ کر لی۔

صلح کے بعد مُصطفیٰ کمال نے سلطانی اور خلافت کو ختم کیا۔ جمہوریت قائم کی۔ قوم کو ترقی کے راستے پر لگایا۔ قوم نے ان کو "اتاترک" کا خطاب دیا یعنی "ترکوں کا باپ"۔ اس عظیم انسان نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ترکوں کی تنظیم کی اور ان کو فتح و کامرانی سے بہرہ ور کر دیا۔ ترک قوم اس رہنما پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں غازی مصطفیٰ کمال اتاترک کا انتقال ہو گیا۔

گانے والا شہنشاہ
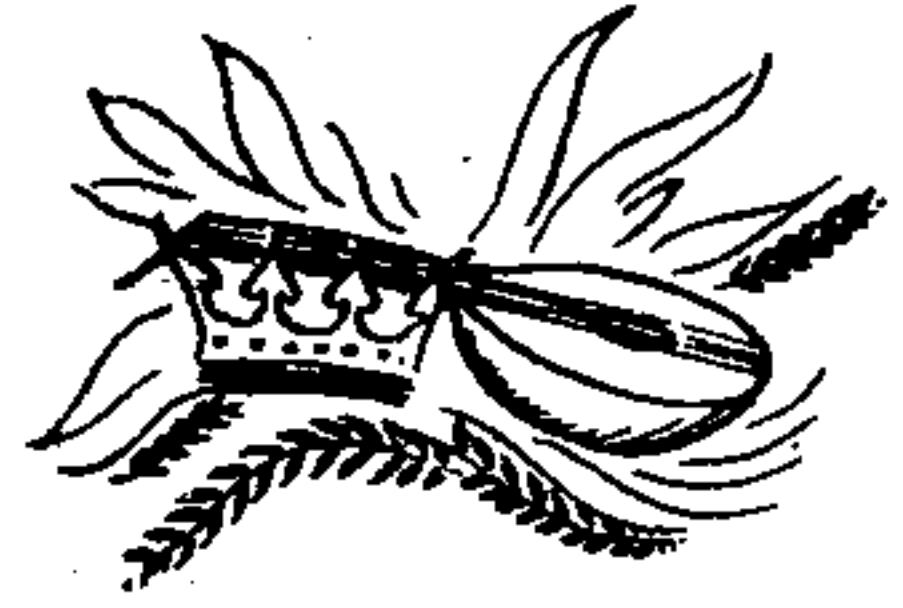
نیرو

یہ رومن شہنشاہ نہایت ظالم، عیّاش اور فضول خرچ تھا۔ اجتماعی پیمانے پر اس کی خونخواری کے سب سے بڑے شکار عیسائی تھے۔ اس نے ان پر رومہ کو آگ لگانے کا الزام عائد کیا (۶۴ء) اور ایسے جسمانی عذاب دیے کہ ان میں سے اکثر تاب نہ لاکر مرگئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ آگ نیرو نے خود لگائی تھی اور اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ آگ لگنے کا تماشا دیکھے۔ چنانچہ وہ گاتا اور ستار بجاتا رہا، یہاں تک کہ شہر کا دو تہائی حصّہ جل کر راکھ ہوگیا۔

نیرو چھٹے رُومی شہنشاہ کی حیثیت سے تخت پر بیٹھا کیونکہ شہنشاہ کلاڈیس نے اس کو متبنّٰی بنالیا تھا۔ وہ ۱۵ دسمبر ۳۷ء کو انیٹیم میں پیدا ہُوا تھا۔ اُس کی ماں نے شہنشاہ کلاڈیس سے نکاح ثانی کرلیا۔ ۵۴ء میں نیرو کی ماں نے کلاڈیس کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا اور نیرو شہنشاہ بنا دیا گیا۔

پہلے پہلے تو وہ اچھا بادشاہ ثابت ہُوا اور ہوشمندی سے حکومت کرتا رہا لیکن بعد میں بگڑ گیا جس کی ذمّہ داری اُس کی ماں "ایگریپینا" پر عائد ہوتی ہے۔ آخر نیرو نے اپنی ایک داشتہ "پوپیاسابینا" کو خوش کرنے کے لیے ۵۹ء میں اپنی ماں کو قتل کردیا اور اسی عورت کے کہنے پر اپنی بیوی کو بھی قتل کر کے اس سے شادی کرلی لیکن آخر ایک دن نیرو نے پوپیا کو بھی قتل کردیا۔

جب رُومہ جل چکا تو نیرو نے اس شہر کو دوبارہ عظیمُ الشان پیمانے پر تعمیر کرنا شروع کردیا اور پیلاٹین کی پہاڑی پر اپنے لیے بھی ایک شاندار محل بنوایا۔ اس تعمیر کے کام پر بڑا روپیہ خرچ ہُوا۔ یہ رقم جمع کرنے کے لیے نیرو نے اپنی قلمرو کو دھڑی دھڑی کر کے لُوٹا اور بیشمار لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا جو آخر اس کے زوال کا باعث بنے۔ ایک سازش ۶۵ء میں ہُوئی۔ نیرو کو اس کے سرغنوں کا پتا چل گیا۔ چنانچہ اس نے ان کو گرفتار کر کے مار ڈالا۔ لوکن شاعر کے ساتھ پائسو، فینئس روفس، سنیکا اور بہت سے دُوسرے آدمی بھی مارے گئے۔

۶۸ء میں فرانس اور ہسپانیہ کے رومن دستے بگڑ گئے اور رومہ کی پریٹورین گارد نے بھی علمِ بغاوت بلند کر کے گالبا کو شہنشاہ بنا لیا۔ نیرو نے راہِ فرار اختیار کی اور جب اُس کا پیچھا کرنے والے افرچون کو اس کے پاس پہنچے تو اُس نے خودکشی کرلی۔

ایک باخدا بزرگ تصوّف میں سلسلۂ نظامیہ کے بانی
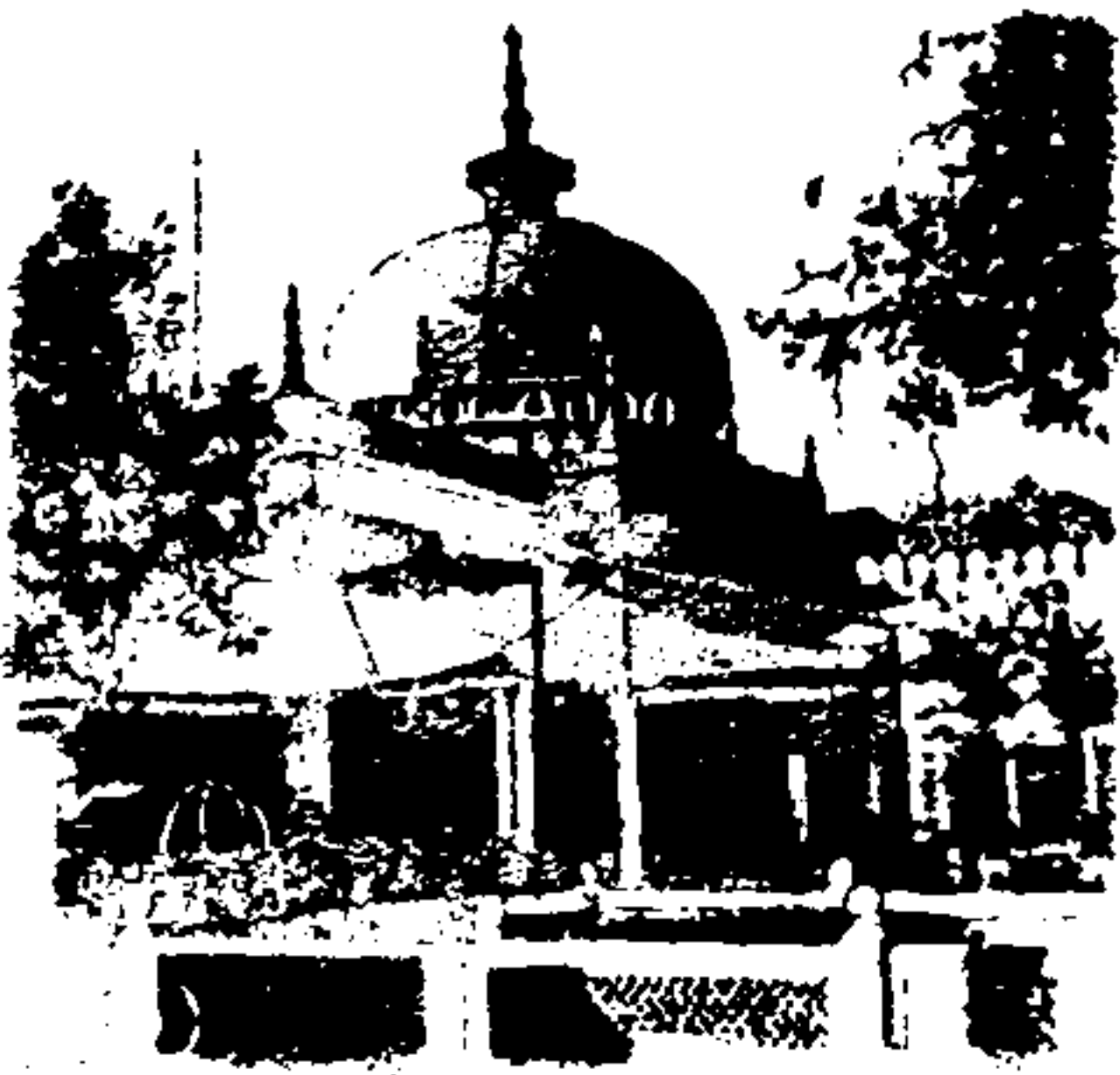
سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

ہندوستان میں جن پاک نفس بزرگوں نے عوام کی زندگیوں کو پاکیزہ بنانے اور اسلام کی تبلیغ میں بڑا حصہ لیا ان میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام بے حد ممتاز ہے۔ آپ کے حلقۂ اثر کی وسعت کے باعث سلاطین و امراء آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا اصلی نام سید محمد ہے۔ بدایوں اور دہلی میں تکمیل علوم کی اور اس کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں پاک پتن حاضر ہوئے۔ آپ کی عبادت، ریاضت اور صفائی باطن کا یہ حال تھا کہ بیس برس کی عمر ہی میں حضرت بابا صاحبؒ نے ان کو شیخ جمال ہانسوی کے پاس بھیج کر دہلی میں ہدایت وارشاد اور تبلیغِ اسلام کے کام پر متعین فرمایا۔

آپ دہلی کی نیابت کی سند حاصل کرنے کے بعد دہلی سے تین میل دور ایک گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ رجوعِ عام شروع ہوا۔ شہر کے عمائد و معززین آپ کے مرید ہو گئے۔ نذر و نیاز کا بے شمار روپیہ آتا جو اسی وقت خرچ کر دیا جاتا۔ آپ کا لنگر بہت وسیع تھا۔ آپ نے تین شاہی خاندانوں کا زمانہ پایا۔ خاندانِ غلاماں میں آپ کے ابتدائی ایام بسر ہوئے۔ پھر خلجیوں کا دور گزرا۔ اس کے بعد غیاث الدین تغلق تخت نشین ہوا۔ سلطان غیاث الدین کو سماع کے مسئلہ میں آپ سے اختلاف تھا لیکن جب وہ بنگالہ کی مہم پر گیا تو اس کے بیٹے الغ خاں نے حضرت نظام الدینؒ کی مریدی اختیار کر لی اور پھر باپ کے تخت پر قابض ہونے کے لیے فوج فراہم کرنے لگا۔ غیاث الدین کو آپ پر شبہ ہوا کہ اس بغاوت سے آپ کا بھی تعلق ہے۔ اس نے سلطان المشائخ کو لکھا کہ آپ میرے دہلی پہنچنے سے قبل دہلی سے نکل جائیں۔ حضرت نے فرمایا "ہنوز دلی دور است" عجیب اتفاق ہے کہ بادشاہ دہلی آتے ہوئے راستے ہی میں اپنی عارضی قیام گاہ کی چھت کے گر جانے سے راہی ملک عدم ہو گیا۔

حضرت سلطان المشائخ اس زمانے کی سیاسیات میں بھی دخل رکھتے تھے۔ بعض بادشاہوں سے موافقت اور بعض سے اختلاف رہا۔ آپ کا سلسلۂ ارشاد چین و عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے صدہا خلفا گجرات، دکن، پنجاب اور افغانستان میں مصروفِ تبلیغ تھے۔ اہلِ ادب میں سے امیر خسرو، حسن سنجری اور مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی آپ کے مرید تھے اور امیر خسرو نے تو آپ کی ترغیب اور قدردانی کی برکت سے موسیقی میں مجتہد کا درجہ حاصل کیا۔ آپ سلسلۂ نظامیہ کے بانی ہیں جو سلسلۂ چشتیہ کی ایک شاخ ہے جس کے لاکھوں عقیدت مند آج بھی موجود ہیں۔

۷۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا اور اپنے مستقر پر دفن ہوئے جہاں نظام الدین کے نام سے ایک قصبہ آباد ہوا۔ آپ کا مزار آج تک مرجع خاص و عام ہے۔

جہانگیر کی چہیتی ملکہ

نورجہاں بیگم

اکبر بادشاہ کے زمانے میں تہران سے ایک بڑے خاندان کا مصیبت زدہ شخص مرزا غیاث بیگ اپنی حاملہ بیوی کو ساتھ لے کر ہندوستان آرہا تھا کہ قندھار کے مقام پر مہرالنساء پیدا ہوئی۔ تقریباً (۹۸۲ھ) ایک دولت مند تاجر ملک مسعود کو ان لوگوں کی حالت پر ترس آیا، وہ انھیں اپنے ساتھ لے کر ہندوستان آیا۔ تاجر کو اکبر کے دربار میں اثر و رسوخ حاصل تھا، چنانچہ اس نے مرزا غیاث کو نوکر رکھوا دیا۔ وہ اپنی قابلیت کی وجہ سے بہت ترقی کر گیا۔ جب مہرالنساء سترہ برس کی ہوئی تو ایک ایرانی علی قلی استاجلو سے، جو تاریخ میں شیر افگن کے نام سے مشہور ہے، اس کی شادی کر دی گئی۔

اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو شیر افگن بردوان کا حاکم تھا۔ جہانگیر کو معلوم ہوا کہ وہ بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے تو اس نے اس کو دارالسلطنت میں طلب کیا۔ مگر وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔ آخر جہانگیر نے مرزا قطب الدین کوکا کو بھیجا، مگر جب مرزا کوکا اس سے ملنے کے لیے اس کے محل میں گیا تو شیر افگن نے اس کو قتل کر دیا۔ اس پر مرزا کے آدمیوں نے شیر افگن کو ہلاک کر دیا۔

کوئی چار سال بعد مہرالنساء نے جہانگیر سے شادی کر لی اور اسے نورجہاں بیگم کا خطاب دیا۔ اس وقت نورجہاں کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ وہ نہایت ذہین و طباع خاتون تھی اور سیاسیات کی پیچیدگیوں کو خوب سمجھتی تھی۔ بڑے بڑے مدبر اس کی دانش مندی کا لوہا مانتے تھے۔ نورجہاں کی خوش ذوقی نے دربار کی شان و شوکت میں اضافہ کیا۔ اس نے صنعت سے عمدہ لباس اور زیورات بھی ایجاد کیے

وہ نہایت بہادر عورت تھی۔ شکار میں ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ جاتی تھی۔ کہتے ہیں کئی دفعہ اس نے شیر کا بھی شکار کیا۔ ایک موقعے پر جب ایک شیر چھلانگ لگا کر جہانگیر کے ہاتھی کی پشت پر چڑھ گیا اور بادشاہ کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تو نورجہاں نے بڑی جرأت اور بہادری سے شیر کو ہلاک کر دیا۔ اس پر جہانگیر نے خوش ہو کر ایک لاکھ روپے کے کنگن ملکہ کو پہنائے اور ایک ہزار اشرفیاں اس کے نوکروں میں تقسیم کیں۔

خطرات کے وقت نورجہاں سرگرمی، ہوشمندی اور قوت کا اظہار کرتی۔ ہاتھی پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں تیروں کی بارش کے درمیان سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتی اور بڑے بڑے فوجی جرنیل اس کی اس جرأت پر انگشت بدنداں رہ جاتے۔ خیرات کا بے حد شوق تھا۔ سینکڑوں یتیم لڑکیوں کی شادیاں اپنے خرچ سے کیں اور بے شمار ضرورت مندوں کے وظیفے مقرر کیے۔ جہانگیر کے مرنے پر اس کے مقبرۂ لاہور کی مجاور بنی اور یہیں ۱۶۴۵ء میں وفات پائی۔ اس کا مقبرہ بھی مشہور ہے

سیب زمین پر کیوں گرا؟

سر آئزک نیوٹن

نیوٹن نے سائنس میں بعض بڑی بڑی دریافتیں کیں، مثلاً جب اُس نے اپنے باغ میں ایک سیب کو زمین پر گرتے دیکھا تو اس کے دل میں سوال پیدا ہُوا کہ آخر سیب زمین ہی پر کیوں گرا، اُوپر کیوں نہ چلا گیا۔ یہیں سے اُس نے کششِ ثقل کے مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا۔ نیوٹن ۲۵ر دسمبر ۱۶۴۲ء کو انگلستان کے قصبہ "وولستھارپ" میں پیدا ہُوا۔ کیمبرج میں ریاضیات کا علم حاصل کیا۔

اگرچہ دُوسرے سائنس دانوں کو بھی معلوم تھا کہ قوتِ ثقل ضرور موجُود ہے جو اشیاء کو زمین کی طرف کھینچتی ہے اور آسمانی کُرّوں کے درمیان بھی موجُود ہے لیکن جب تک نیوٹن نے اپنی مفصّل تحقیقیں شائع نہ کیں، اس قوت کے صحیح صحیح قانون لوگوں کو معلوم نہ ہوئے۔

اس نے نُور و رنگ کے متعلق بھی تجربے کیے اور اِس سلسلے میں ایک عکس انداز دُوربین تیار کی جس کی وجہ سے اس کو سائنس دانوں میں بڑی اہمیت حاصل ہو گئی اور وہ صرف ۲۹ سال کی عمر میں رائل سوسائٹی کا رُکن منتخب ہو گیا۔ ۱۷۰۳ء میں اس سوسائٹی کا صدر مقرر ہُوا اور تا دمِ مرگ، یعنی ۲۰ر مارچ ۱۷۲۷ء تک ہر سال منتخب ہوتا رہا۔ اس عہدے کی وجہ سے وہ دُوسرے سائنسدانوں اور مُوجدوں کی خاص امداد و اعانت کرتا رہا۔ مشہُور ماہرِ فلکیات "جان فام سٹیڈ" کی کتاب "مشاہدات گرینچ" نیوٹن ہی کی مدد سے چھپی اور جان ہیریسن کو بھی، "کرونومیٹر" بنانے اور مکمّل کرنے میں اسی نے امداد دی۔

جرمنی کے سائنس دان "لائب نیٹز" نے نیوٹن سے بالکل الگ تھلگ رہ کر "احصائے تفرقی" کا ریاضی نظام دریافت کیا تھا۔ اِس امر پر بڑے جھگڑے ہوتے رہے کہ ان دونوں میں سے کس نے یہ دریافت پہلے کی تھی۔ اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ وقت کے لحاظ سے تو اوّلیت کا فخر نیوٹن ہی کو حاصل ہے، لیکن "لائب نیٹز" اپنے بہتر طریقوں کی وجہ سے تعریف کا مستحق ہے۔ نیوٹن ویسٹ منسٹر ایبے میں دفن کیا گیا۔

یورپ کا بڑا جرنیل

نپولین بونا پارٹ

نپولین فرانس کے جزیرہ کورسیکا میں ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا۔ پیرس اور برائن کے فوجی سکولوں میں تعلیم پائی اور سب سے پہلی کامیابی تولون کے محاصرے (۱۷۹۳ء) میں حاصل کی، جہاں اس نے توپ خانے کو ایک ایسے مخصوص انداز میں استعمال کیا کہ اسی کی وجہ سے فتح ہوگئی۔ اس کے بعد اٹلی میں پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں اور ۱۷۹۷ء تک وہ ایک قومی ہیرو بن گیا۔ اسی سال اس کو مصر کے خلاف ایک مہم کا کمانڈر مقرر کیا گیا، جس کا آخری مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو فتح کیا جائے۔ نپولین اب تک خشکی کی لڑائیوں میں تو فتحمند ہوتا چلا آتا تھا، لیکن جب دریائے نیل پر برطانوی بیڑے سے مقابلہ ہوا تو اس کا بحری بیڑا ناکام ہو گیا۔ ۱۷۹۹ء کے موسم خزاں میں وہ پیرس چلا آیا اور حکومت کا تختہ الٹ کر خود "قونصل اوّل" بن گیا۔

اس وقت معلوم ہوا کہ نپولین صرف فوجی اعتبار سے بہت بڑا آدمی نہیں، بلکہ انتظام حکومت اور قانون سازی میں بھی شان نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس نے حکومت کی ابتری کو دور کر کے امن و انتظام قائم کیا، مالیات کے نظام نیز عدالتوں کی اصلاح کی، تعلیم کو عام کرنے کا بندوبست کیا اور فرانسیسی قوانین کی باقاعدہ تدوین کرائی۔

۱۸ مئی ۱۸۰۴ء کو نپولین شہنشاہ بنایا گیا۔ وارث تخت حاصل کرنے کے لیے اس نے بے اولاد بیوی جوزیفائن کو طلاق دے کر ۱۸۱۰ء میں آسٹریا کے شہنشاہ کی بیٹی "ماریا لوئیسا" سے شادی کر لی۔ دو سال بعد روس کی مصیبت ناک مہم شروع ہوئی۔ نپولین نے ہمیشہ کی طرح فتح پر فتح حاصل کرنی شروع کی، لیکن عین موسم سرما میں ماسکو سے پسپا ہوتے وقت اس کی تقریباً ساری کی ساری فوج تباہ ہوگئی۔ ۱۸۱۳ء میں پروشیا اور آسٹریا نے روس کے ساتھ مل کر لائپزگ کے مقام پر اس کو شکست دی اور اسے ۱۱ اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔

نپولین ایلبا کے جزیرے میں قید تھا، وہاں سے نکل بھاگا اور دوبارہ فرانس کا آمر بن گیا، لیکن آخر ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو بلوشر اور ویلنگٹن نے اس کو واٹرلو کے میدان میں شکست فاش دی اور وہ سینٹ ہلینا کے جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا، جہاں ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو وہ چل بسا۔

چھپائی کا موجد

ولیم کیکسٹن
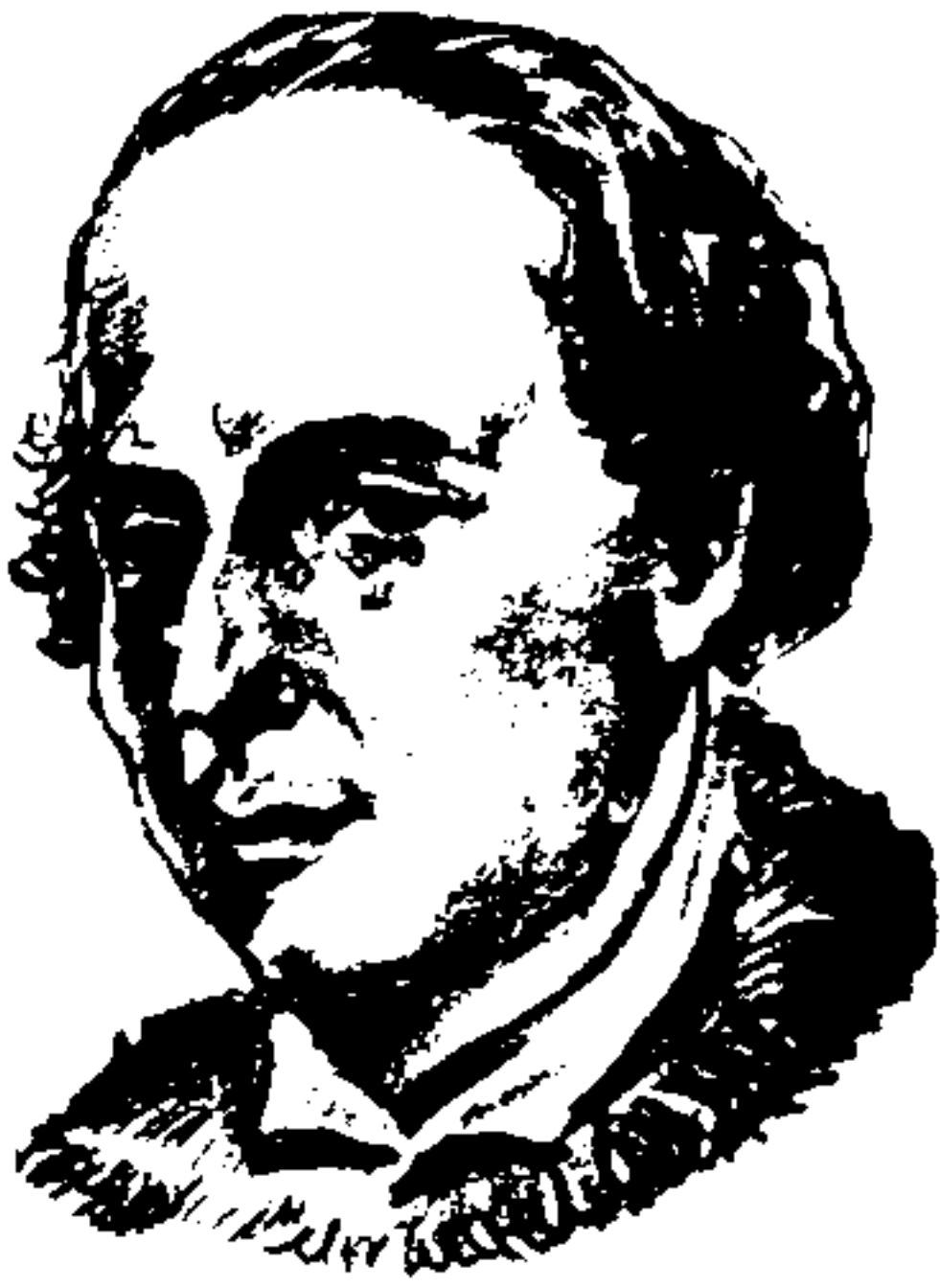
ٹائپ سے چھاپنے کی اصل مشین کا موجد ذوگوٹن برگ تھا لیکن ولیم کیکسٹن ۱۴۷۱ء میں کسی کاروبار کے سلسلے میں انگلستان سے کولون گیا تو اس نے وہاں چھپائی کا فن سیکھ لیا۔ کیکسٹن تیس برس تک بروجز میں رہا، جو اس زمانے میں تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ وہیں اس نے اپنا پہلا چھاپہ خانہ قائم کیا اور اپنی پہلی کتاب چھاپی۔ یہ ۱۴۷۴ء یا ۱۴۷۵ء کا ذکر ہے۔ اس کتاب کا نام تھا:

The Recuyell of the Historyes of Troye

ولیم کیکسٹن کینٹ (انگلستان) کے کسی مقام پر ۱۴۲۲ء میں پیدا ہوا۔ سولہ برس کی عمر میں ریشمی کپڑے کے ایک دولتمند سوداگر رابرٹ لارج کے ہاں امیدواری کی حیثیت سے ملازم ہوا۔ یہ رابرٹ لارج بعد میں لندن کا لارڈ میئر ہو گیا تھا۔ اس کے تین سال بعد جب لارج وفات پا گیا تو کیکسٹن بروجز چلا گیا اور وہاں اس نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کر دیا۔ ۱۴۶۴ء میں بلجیم اور ہالینڈ کے ساتھ تجارت کرنے والی ایک کمپنی نے کیکسٹن کو اپنا قائم مقام گورنر بنا لیا۔ اس کے اگلے برس جب فلپ ڈیوک آف برگنڈی کے ساتھ اون کی تجارت کے متعلق بات چیت کی ضرورت پیش آئی تو کیکسٹن ہی اس گفتگو کا مختار مقرر کیا گیا۔ اس کام میں کیکسٹن کو کامیابی نہ ہوئی، لیکن چار سال بعد جب برگنڈی کے نئے ڈیوک چارلز نے ایڈورڈ چہارم کی بہن شہزادی مارگریٹ سے شادی کر لی تو کیکسٹن پھر گفت و شنید کے لیے پہنچ گیا۔ اب کے وہ کامیاب ہو گیا۔ بلکہ کچھ مدت بعد ڈچز مارگریٹ کے خانگی عملے میں مشیر تجارت کے عہدے پر بھی فائز ہوا۔

شہزادی مارگریٹ ہی کی فرمائش پر کیکسٹن نے اپنی کتاب Recuyell کا ترجمہ مکمل کیا۔ بروجز میں کیکسٹن اور اس کے شریک مینشن نے صرف دو اور کتابیں چھاپیں۔ انگلستان واپس آ کر کیکسٹن نے ویسٹ منسٹر میں ایک مطبع قائم کیا اور سب سے پہلی انگریزی کتاب Indulgence ۱۳ دسمبر ۱۴۷۶ء کو چھاپی۔ اس کے بعد پندرہ سال کی مدت میں اس نے بیسیوں اور کتابیں چھاپیں اور خود ہی ان کو مرتب کیا۔ اس کے علاوہ بائیس کتابوں کا ترجمہ کیا۔ کیکسٹن کی چھاپی ہوئی کل کتابوں کی تعداد ۹۹ ہے۔ ۱۴۹۱ء میں کیکسٹن کا انتقال ہو گیا۔

طنز و تفنن کا بادشاہ

والٹیئر

اٹھارھویں صدی کے اس فرانسیسی طنز نگار نے اسی قسم کی طوفانی زندگی بسر کی جیسی اس کے مشہور کردار کینڈیڈ نے کی تھی۔ اس نے بعض معززاور اہم اشخاص کو اپنے بے پناہ طنز کے تیروں کا نشانہ بنایا جس کی وجہ سے کئی بار قید خانے جانا پڑا۔ وہ زبان و قلم کی قوت سے جن لوگوں کو اپنا دوست بنا لیا کرتا تھا، انہی کو زبان و قلم کی تیزی سے دشمن بنا لیتا تھا۔

اس کا اصلی نام "فرانکو ماری آروے" تھا۔ ۲۱ نومبر ۱۶۹۴ء کو پیرس میں پیدا ہوا اور جیسویٹ کالج میں تعلیم پائی۔ وہ شاعر کی حیثیت سے سب سے پہلے یوں روشناس ہوا کہ اس نے اکادمی کے مقابلے میں ایک نظم بھیجی۔ اس نظم کو انعام نہ مل سکا۔ اس نے جھنجھلا کر اپنے کامیاب حریف کی ایک ہجو لکھ ڈالی۔ اس وقت اس کی عمر بیس بائیس سال کی تھی لیکن اس قسم کی نظموں سے اس کو کسی قدر شہرت حاصل ہو گئی اور لوگ اسے ظریف اور مزاح نگار سمجھنے لگے۔ ایک دفعہ اس نے نائب السلطنت کی توہین کر ڈالی، جس کی پاداش میں وہ شہر بدر بھی کیا گیا اور گیارہ مہینے "باسٹیل" کے جیل خانے میں بھی بسر کرنے پڑے۔ رہائی کے بعد اس نے اپنا سب سے پہلا المیہ ۱۷۱۸ء میں "ایڈیپس" کے نام سے لکھا جو بے حد کامیاب ہوا۔ اس موقع پر اس نے "والٹیئر" کا نام اختیار کیا۔

۱۷۲۳ء میں اس نے شاہ ہنری چہارم کے متعلق ایک جنگی نظم لکھی جس میں مذہبی آزادخیالی کی حمایت اس زور شور سے کی کہ حکام نے اس کو فرانس میں شائع کرنے کی اجازت نہ دی۔ بعد میں والٹیئر جلاوطن کر کے انگلستان بھیج دیا گیا۔

۱۷۲۸ء میں وہ پیرس واپس آیا اور نہایت چابک دستی سے سٹہ کھیلنے کی وجہ سے بڑی دولت جمع کر لی لیکن تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ اس نے انگریزوں کے متعلق "خطوط" لکھے جن کی وجہ سے خاصا شور مچا۔ ان خطوط میں اس نے انگلستان کے آزاد اداروں کے متعلق فرانسیسیوں کو عجیب عجیب باتیں بتائیں جو ان کو پہلے معلوم نہ تھیں۔ اس کے بعد ۱۷۳۴ء سے ۱۷۴۹ء تک پندرہ سال کی مدت اس نے اپنی ایک دوست مادام شاتلے کے محل میں بسر کی، اس دوران میں بے شمار مقالے، افسانے، ڈرامے، نظمیں، ناول اور طنزیہ مضامین اس کے قلم سے نکلے۔ اس خاتون کی موت کے بعد وہ فریڈرک اعظم کی دعوت پر برلن گیا لیکن ان دونوں طاقتور شخصیتوں کا نباہ نہ ہو سکا اور والٹیئر فرانس واپس آگیا۔ ۳۰ مئی ۱۷۷۸ء کو والٹیئر کا انتقال ہو گیا، کیونکہ اپنے المیہ ڈرامے "آئرین" کی پہلی نمائش پر وہ بے حد جوش میں آگیا تھا اور اس پر تھکن طاری ہو گئی تھی۔

امریکنوں کا محبوب لیڈر

جارج واشنگٹن

امریکہ کے سب لوگ جارج واشنگٹن کو بہت بڑا سیاسی اور بہت بڑا مُدبر مانتے ہیں، بلکہ بعض نے تو اس کی اتنی تعریف کی ہے کہ اس کو دیوتاؤں تک پہنچا دیا ہے۔

۱۷۳۲ء میں پیدا ہُوا۔ اس کے باپ آگسٹین واشنگٹن نے فریڈرکس برگ کے قریب ورجینیا تمباکو کے چھ مزرعے چھوڑے تھے جو جارج کو اس وقت ملے جب اس کی عُمر بیس سال کی تھی۔ تمباکو کاشت کرنا، اس کے ذخیرے کی دیکھ بھال کرنا اور پھر نگران کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرنا، اتنے زیادہ کام تھے کہ لکھنا پڑھنا بہت ہی کم ہو سکتا تھا۔ فرانسیسی اور انڈین جنگ میں اس نے ورجینیا کی فوج میں کام کیا اور اتنا اچھا کام کیا کہ ورجینیا ملیشیا کا کمانڈر بن گیا اور ۱۷۵۸ء میں اپنے سرادل دستے کی مدد سے قلعہ دوکیون (پٹسبرگ) پر قابض ہو گیا۔ اس کے ایک سال بعد ایک دولت مند خاتون مارتھا کسٹس سے شادی ہو گئی، جس کی وجہ سے وہ ورجینیا میں تمباکو کا سب سے زیادہ خوشحال تاجر بن گیا۔

وہ آغاز ہی سے تحریکِ آزادی کا حامی تھا، چنانچہ جنگ آزادی شروع ہونے کے بعد جلد ہی نو آبادیوں کی فوج کا کمانڈر مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد ٹرنیٹن اور پرنسٹن کے مقامات پر فتوحات ہوئیں، نیو یارک، جرمن ٹاؤن کے مقامات پر شکستیں ہوئیں، کانگرس کے ساتھ جھگڑے ہُوئے، اس کی فوج میں خوراک اور روپے کی قلت ہو گئی، ماتحت افسروں نے غداری کی اور عام لوگ ایک طویل جنگ سے تنگ آ گئے۔ ان تمام واقعات نے واشنگٹن کے عزم کو زیادہ پختہ کر دیا۔ آخر فرانسیسیوں کی مدد اور اپنی بے نظیر فوجی ہُنرمندی کی وجہ سے اکتوبر ۱۷۸۱ء میں اُس نے یارک ٹاؤن میں کارنوالس سے ہتھیار رکھوا لیے۔

اپریل ۱۷۹۰ء میں وہ امریکہ کا صدر منتخب ہُوا اور دُوسری دفعہ پھر قوم نے اُسی کو چُنا اور وہ مُلک بھر میں اعلیٰ درجے کا سیاسی مُدبر تسلیم کیا گیا۔ اُس نے بادشاہ کا لقب اختیار کرنے سے انکار کیا اور جمہوریت کے راستے کو ہموار کرتا رہا، جس میں مضبُوط قومی حکومت، تعلقات خارجہ میں غیر جانبداری اور متحدہ مالیات ضروری عناصر تھے۔ جب اس کو تیسری دفعہ صدارت پیش کی گئی تو اُس نے انکار کر دیا اور ۱۷۹۷ء میں اپنی خدمات قومی سے سبکدوش ہو کر ورنن کی پہاڑی جاگیر میں خانہ نشین ہو گیا۔

دو سال بعد دسمبر ۱۷۹۹ء میں واشنگٹن کا انتقال ہو گیا۔

جمہوریت کا پاسباں

ووڈرو وِلسن

امریکہ کے دوسرے بڑے بڑے صدروں کی طرح ووڈرو ولسن نے بھی اپنے مُلک کی اندرونی اصلاح کے بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے تھے لیکن جنگ نے ان سب کو تلپٹ کر دیا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی تو وِلسن نے عزم کر لیا کہ اب اس کے اصلاحی منصوبے پوری مُہذّب دُنیا پر حاوی ہوں گے۔ اُس کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ اقوامِ عالم کی ایک انجمن قائم ہو جائے اور اُس نے اپنی زندگی میں اس کو دیکھ بھی لیا لیکن جب اُس کے اپنے مُلک نے اس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تو اُسے بے حد مایُوسی ہوئی۔

وِلسن ۲۸ دسمبر ۱۸۵۶ء کو سٹونٹن کے ایک پریس بیٹرین پادری کے ہاں پیدا ہُوا۔ پرنسٹن سے ۱۸۷۹ء میں گریجویٹ ہو کر ورجینیا یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم پائی اور جان ہاپکنز کے مدرسے میں تاریخ اور فنِ حکومت کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ برین مور، کنیکٹی کٹ اور پرنسٹن میں پڑھاتا بھی رہا اور پولیٹیکل سائنس کے ماہر کی حیثیت سے مضامین لکھ لکھ کر خاصی شہرت حاصل کر لی۔ ۱۹۰۲ء میں وہ پرنسٹن یونیورسٹی کا صدر مُقرر ہُوا اور فی الفور ایسی اصلاحات نافذ کیں کہ یونیورسٹی میں اُن کے متعلق بحث مباحثے ہونے لگے۔

وِلسن کی سیاسی زندگی اُس وقت شروع ہوئی جب ۱۹۱۰ء میں وہ نیوجرسی کا گورنر منتخب ہُوا۔ بعض عُمدہ قوانین کی وجہ سے اس کو ناموری حاصل ہُوئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء میں ڈیموکریٹ پارٹی نے اس کو صدارت کے لیے نامزد کیا اور وہ امریکہ کا اٹھائیسواں صدر منتخب ہو گیا۔

وِلسن نے بہت سے ترقی پسندانہ قانون منظُور کرائے، جو مالیات اور تجارت کے متعلق تھے۔ آخر جرمن آبدوزوں نے امریکہ پر حملے شروع کر دیے۔ پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ وِلسن نے غیر جانبداری کا اعلان کیا اور فریقین میں صُلح کرانے کی کوشش کی۔ کچھ مُدّت بعد اُس نے اپنے مشہور "چودہ نکات" پیش کیے تاکہ ان پر مستقل صلح و امن کی بُنیاد رکھی جا سکے۔

وِلسن پیرس کی صلح کانفرنس میں شریک ہُوا۔ یورپ کے عوام نے اُس کی بہت آؤ بھگت کی۔ آخر وِلسن نے مُعاہدۂ صلح میں "مجلسِ اقوام" کے منصُوبے کو بھی شامل کرایا، لیکن امریکہ کی سینیٹ نے "مجلسِ اقوام" League of Nations میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں عوام نے اس بات کی حمایت کی اور ری پبلکن پارٹی برسرِ اقتدار آ گئی۔ وِلسن انتخابی مہم میں تھک کر بیمار ہو گیا اور ۳ فروری ۱۹۲۴ء کو واشنگٹن میں اِنتقال کر گیا۔

ماضی اور مستقبل کا مؤرخ

ایچ۔جی ویلز

ویلز نے انگریزی ادبیات میں بہت نمایاں اضافے کیے لیکن اُس کی ساری تصنیفات میں بہترین کتاب "آؤٹ لائن آف ہسٹری" ہے، جس میں اُس نے پرانے مؤرخین کے خشک اور بے رنگ انداز کو چھوڑ کر دُنیا کے تمام تاریخی واقعات کو اس قدر دلکشی سے لکھا ہے کہ بے اختیار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اُس نے بے شمار موضوعات پر قلم اٹھایا، مثلاً سائنس کے خیالی ناول لکھے جیسے "ٹائم مشین" اصلاحِ معاشرہ کے ناول مثلاً "اینا ویرونیکا" جس میں عورتوں کی آزادی کی حمایت کی۔ اپنے زمانے کے انگریزوں کی زندگی کے افسانے بحث و مباحثے کے ناول، کرداری اور مزاحی کہانیاں غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق کتابیں لکھیں اور اس کے ساتھ ہی رسالوں اور اخباروں کے لیے مضامین بھی لکھتا رہا۔

اُس کے باپ کی دُکان سے اتنی تھوڑی آمدنی ہوتی تھی کہ گھر کا خرچ پورا کرنے کے لیے اُس نے کرکٹ کو پیشے کے طور پر اختیار کر رکھا تھا۔

۲۱ ستمبر ۱۸۶۶ء کو ایچ۔جی ویلز کینٹ میں پیدا ہُوا۔ جب ذرا ہوشیار ہُوا تو ایک درزی کے ہاں شاگرد کے طور پر بٹھا دیا گیا لیکن وہاں صرف دو سال بیٹھ سکا، پھر پڑھنے لگا وظیفے حاصل کر کر کے رائل کالج آف سائنس اور لندن یونیورسٹی میں مشہور سائنسدان پروفیسر ہکسلے سے بیالوجی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ مدت تک خود بیالوجی پڑھاتا رہا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ رسالوں میں مضامین بھی لکھتا رہا۔ آخر ۱۸۹۳ء میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر صرف تصنیف و تالیف ہی کا ہو رہا۔

اس کی کتاب "ٹائم مشین" ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اگرچہ اس کا رنگ فرانسیسی مصنف ژولے ورن کی کتابوں سے ملتا ہے، لیکن ویلز کو معاشرتی اور اقتصادی معاملات سے ایسا شغف تھا کہ مستقبل کے متعلق اس کی پیش بینی ورن سے بالکل مختلف تھی۔ اسی قسم کی ایک اور خیالی کتاب "وار آف دی ورلڈ" ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ مریخ کے باشندوں نے کرۂ ارض پر حملہ کر دیا ہے۔ کئی سال بعد جب یہی ناول ریڈیو پر پیش کیا گیا تو شمالی اور جنوبی امریکہ میں بہت بھاگڑ مچی اور بے حد سنسنی پھیلی کیونکہ سُننے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ مریخ والوں نے سچ مچ زمین پر حملہ کر دیا ہے۔

ویلز نے ۱۳ اگست ۱۹۴۶ء کو انتقال کیا۔

قدیم یُونان کا اندھا شاعر

ہومر

یورپ کی ادبیات میں دو کلاسیکی نظمیں سب سے مشہور ہیں "الیڈ" اور "اوڈیسے"۔ یہ نظمیں تو خوب ہیں لیکن ان کا لکھنے والا کون ہے؟ یہ کچھ معلوم نہیں۔ ہومر کا نام محض فرضی ہے اور اس کے متعلق ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔

ہیروڈوٹس کا خیال یہ ہے کہ ہومر ۸۵۰ ق م کے لگ بھگ زندہ تھا لیکن دُوسرے اہلِ علم اس تاریخ کو بارہ سو قبل مسیح تک کھینچ لے جاتے ہیں۔ قدیم یُونان میں بھی ہومر کے متعلق بعض افسانے موجُود تھے اور سات شہر اس کو اپنا باشندہ بتاتے تھے۔ ایتھنز، ارگوس، چیوس، کولوفون، رہوڈز، سلامیس اور سمرنا۔ روایت یہ ہے کہ وہ اپنی عمر کے دُوسرے حصّے میں ایک اندھا شاعر تھا۔ بستی بستی گھُومتا پھرتا تھا، لوگوں کو اپنے شعر ربط پر گا کر سناتا تھا اور اس طرح روٹی کماتا تھا۔

جرمنی کے مشہور عالم فریڈرِش اگسٹ وولف نے ۱۷۹۵ء میں یہ خیال ظاہر کیا کہ "الیڈ" اور "اوڈیسے" کے مختلف حصّے مختلف گانے والے شاعروں نے تصنیف کیے اور بعد میں ان کو ایڈیٹروں نے جمع کر کے ایک کتاب کی صُورت میں مرتب کر دیا۔ وولف کا دعوےٰ یہ تھا کہ یہ دونوں نظمیں یقیناً کسی ایک شاعر کی لکھی ہُوئی نہیں ہیں۔ ان نظموں کو پیشہ ور مطربوں نے صدیوں تک گایا اور بعض مقامات پر بدل بھی دیا۔ آخر ۵۴۰ ق م کے قریب پسس ترا تُس نے کسی نہ کسی طرح جمع کر کے یہ کتابی صُورت دی۔

ہومر کی نظموں کا تنقیدی مطالعہ چھٹی صدی قبل مسیح ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ یعنی اس زمانے کے قریب جب نثر نویسی کا آغاز ہُوا تھا۔ جب اس کے بعد کی صدی میں ادبیات کی تعلیم شروع ہوئی تو اس کا مطلب ہومر کی تعلیم ہی تھا۔ جب مطرب "الیڈ" اور "اوڈیسے" کو گا کر سُناتے تھے تو ہزاروں کا ہجوم جمع ہو جاتا تھا۔ تعلیم یافتہ یونانیوں کو اُس کی لمبی نظمیں زبانی یاد ہوتی تھیں۔

ہومر کے اوراقِ پریشاں کو مُرتب کرنے کا کام سب سے پہلے ارِسٹارکس نے کیا تھا، جو ساموتھریس کا رہنے والا اور کُتب خانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا۔ تقریباً ۱۵۰ قبل مسیح میں اُس نے ان نظموں کے دو ایڈیشن شائع کیے، جو بالکل آج کل کے ایڈیشنوں سے ملتے جُلتے تھے۔

ہومر کا کلام دُنیا کی تمام مہذب زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ انگریزی نظم میں کاؤپر اور پوپ نے جو ترجمہ کیا، وہ بہت مشہور ہے لیکن ہومر کے خاص آہنگ اور لطافت کو انگریزی نظم میں پیش کرنا اِس قدر مشکل ہے کہ نثر میں ترجمہ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے

الپس کے پہاڑوں کو عبور کر کے روما پر حملہ کرنے والا

ہینی بال

اگرچہ دوسری "پیونک وار" (۲۱۹ سے ۲۰۱ ق م) کا خاتمہ روما کی فتح پر ہوا، لیکن اس کے باوجود کارتھیج (شمالی افریقہ) کے کمانڈر ہینی بال کو دائمی فوجی عظمت حاصل ہو گئی۔ رومی افواج کی کثرت اور رسد کے راستے خطرے میں ہونے کے باوجود ہینی بال سولہ سال تک شمالی اٹلی پر قابض رہا۔

ابھی ہینی بال صرف نو سال کا تھا کہ اپنے باپ کے ساتھ ۲۳۸ قبل مسیح میں اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے رومیوں کے خلاف نفرت کا حلف اٹھایا اور عمر بھر اس حلف پر قائم رہا۔ انتیس (۲۹) سال کی عمر میں اس نے کارتھیج کی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور فی الفور "ساگنتوم" پر حملہ کر کے ایک بڑی جنگ کا آغاز کر دیا۔

اس نے اپنے چھوٹے بھائی ہسدروبال کو ہسپانیہ پر قابض رہنے کے لیے چھوڑا اور خود دریائے رہون پر رومیوں کو بے وقوف بنا کر لڑے بھڑے بغیر کوہ الپس کو عبور کر کے شمالی اٹلی میں داخل ہو گیا لیکن اس پہاڑی یلغار کے دوران میں اسے کافی نقصان بھی پہنچا۔ آخر فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا وہ پورے شمالی اٹلی پر قابض ہو گیا۔

۲۱۷ قبل مسیح میں اس نے ناٹن کا پہاڑ عبور کر کے رومن کمانڈر کو شکست دی اور ایڈریاٹک کے ساحل "پر آپولیا" تک پہنچ گیا۔ اس سے اگلے سال اس نے کینائے کے مقام پر سامان کے ایک بہت بڑے مرکز پر قبضہ کر لیا اور پچاس ہزار کی ایک فوج کو شکست فاش دی، جو پولس اور وارو جیسے جرنیلوں کے ماتحت میدان میں آئی تھی۔ اس کے بعد اس نے نیپلز پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، لیکن کاپوا پر قبضہ کر لیا جو اٹلی کا دوسرا سب سے بڑا شہر تھا۔

اب مشہور رومن جرنیل "فیبی آس" نے رومیوں کی کمان ہاتھ میں لی۔ وہ گھمسان کی جنگ سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا، کیونکہ ایسی لڑائیوں میں ہینی بال ہمیشہ فتح پا جاتا تھا۔ اس طرح ہینی بال کی طاقت رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی اور جب اس کا بھائی ہسپانیہ سے امدادی فوج لے کر آیا تو رومیوں نے اس کو شکست دے دی اور میتارس کے مقام پر اس کو قتل کر دیا۔ رومن برابر ہینی بال کو پیچھے ہٹاتے چلے گئے، یہاں تک کہ ۲۰۲ قبل مسیح میں افریقہ کے مقام "زامار یجیو" پر ہینی بال کو شکست ہو گئی اور کارتھیج نے ہتھیار ڈال دیے۔ (۲۰۱ قبل مسیح)

ہینی بال روما پر دوبارہ حملے کے لیے کارتھیج کی طاقت میں اضافہ کرتا رہا، لیکن رومیوں کو اس کے منصوبے کا پتا چل گیا اور ہینی بال شہر بہ شہر بھاگتا پھرا۔ آخر "بھیتینیا" کے مقام پر وہ گھر گیا (۱۸۳ قبل مسیح) اور زہر کھا کر مر گیا۔

وکٹر ہیوگو

اس میں شک نہیں کہ ہیوگو نے "لامزرابل" جیسے ناولوں سے بھی بڑی شہرت حاصل کی، لیکن اصل میں اس کی شاعری کا ادبی اثر بہت قوی اور وسیع تھا جس سے ویرلان، بودلیر اور رمباؤ جیسے مختلف شاعر متاثر ہوئے۔ سیاسی طور پر ہیوگو ایک عہدے پر بھی فائز تھا اور ترقی کرنے کی خواہش بھی رکھتا تھا لیکن تقریر و خطابت کے معاملے میں اس قدر ناقابل اور گلا پھاڑ آدمی تھا کہ آخر میں خود قومی اسمبلی میں بھی جس کا وہ ممبر تھا، کوئی شخص اس کی بات سننے کا روادار نہ ہوتا تھا۔ ذاتی طور پر وہ [illegible] پرست اور بہت چالاک اور عیار آدمی [illegible]

[illegible] ہیوگو کی زندگی [illegible] سے کم سات [illegible] فروری ۱۸۰۲ء کو [illegible] بیس سال [illegible] ابتدائی [illegible] کا زمانہ بھی دلچسپ تھا [illegible] باپ [illegible] (جو نپولین کا ایک جرنیل تھا، اٹلی اور ہسپانیہ کی مہموں پر روانہ ہو گیا پھر چونکہ اس کے ماں باپ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے اس لیے اس نفرت کا اثر ہیوگو کی شخصیت پر بھی پڑا۔ اس کے بعد "ایک غیر معمولی بچے" کا زمانہ شروع ہوا جو تیرہ سے بیس سال تک تھا۔ اس وقت ہیوگو کو اکادمی میں شاعری کا ایک انعام ملا اور شاتو بریاں نے اس کو "بلند مرتبہ بچے" کا لقب دیا۔ پھر ہیوگو پر شاہ پسندی کا

دَور آیا جب وہ دربار میں نظمیں پڑھ پڑھ کر [illegible] کرتا تھا جب فرانس کے کتابیں پڑھنے والے "ادبی رُومانی انقلاب" کے لیے تیار نظر آئے [illegible] ان کا لیڈر بن بیٹھا اور تحریک کی خاطر دَور [illegible] رہا۔ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۵ء تک اس نے ناول اور ڈراما میں بڑا نام پیدا کیا۔ پھر اس نے سیاست کی طرف توجہ کی۔ جب نپولین ثالث ڈکٹیٹر بنا تو [illegible] جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ جلا وطنی اٹھارہ سال تک رہی۔ ہیوگو گورنسی کے جزیرے میں اپنی اس مظلومی کے مزے اُڑاتا رہا۔ ۱۸۷۰ء میں جب دوبارہ [illegible] قائم ہوئی تو ہیوگو پیرس واپس آیا اور آخری [illegible] انتہائی کامیابی اور کامرانی سے گزارے۔ [illegible] شہرت دُنیا بھر میں پھیل گئی اور لوگ اس سے محبت کرنے لگے۔

ہیوگو زبان اور وزن و بحر کا [illegible] لیکن آج کل کے نقادوں کی رائے [illegible] وہ اعلیٰ کردار اور دماغی قابلیت نہ [illegible] مصنف کے لیے ضروری [illegible] وہ ایک ادبی قوت تھا [illegible]

ابتداءِ تہذیب سے موجودہ دور تک کے سَو اہم تاریخی اور عہد آفریں واقعات۔
پچاس واقعات مشہور مورخ ولیم ڈَیوٹ کی کتاب سے لیے گئے ہیں اور پچاس مشرقی خصوصاً اسلامی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کی خوبیوں کی بنا پر یونیسکو نے اسے گراں قدر انعام سے نوازا ہے۔

بڑا سائز • دبیز کاغذ • ہر صفحے پر تصویر • قیمت:

۱- بنی اسرائیل غلامی سے نجات پاتے ہیں۔
۲- سائرس بابل پر قابض ہوتا ہے۔
۳- مہاتما بدھ کو نروان حاصل ہوتا ہے۔
۴- دُنیا میں پہلی جمہوریت قائم ہوتی ہے
۵- کنفیوشس مثالی حکمران کی تلاش میں نکلتا ہے۔
۶- میراتھان میں یُونان فتح حاصل کرتا ہے
۷- سکندر دُنیا فتح کرنے کے لیے نکلتا ہے
۸- قرطاجنہ سرنگوں اور رُومہ سربلند ہوتا ہے۔
۹- سیزر کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا ہے
۱۰- یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجتی ہے۔
۱۱- مشرق میں نئے رومہ کی بنیاد پڑتی ہے
۱۲- رومہ وحشیوں کے قبضے میں جاتا ہے
۱۳- شارلیمین رومی سلطنت کا تاج پہنتا ہے۔
۱۴- انگریز فرانس کے نارمنوں سے شکست کھاتے ہیں۔
۱۵- برطانیہ میں آزادی کے منشور پر دستخط ہوتے ہیں۔
۱۶- بارُود ایجاد ہوتی ہے۔
۱۷- قطب نما سات سمندر مسخر کرتا ہے۔
۱۸- کولمبس نئی دُنیا دریافت کرتا ہے۔
۱۹- کُرہ ارض کے گرد پہلا چکر لگتا ہے
۲۰- کوپرنیکس زمین کی گردش کا انکشاف کرتا ہے۔
۲۱- امریکہ میں پہلا انگریزی شہر آباد ہوتا ہے۔
۲۲- انسانی نظر بلندیوں اور گہرائیوں میں پہنچتی ہے۔
۲۳- دَوران خون کا اصُول دریافت ہوتا ہے۔
۲۴- بھاپ کا انجن تیار کیا جاتا ہے۔
۲۵- امریکی ریاستیں آزادی کا اعلان کرتی ہیں
۲۶- انقلاب فرانس کا پرچم کھُلتا ہے۔
۲۷- رُوئے زمین پر ریلیں دوڑتی ہیں۔
۲۸- ایتھر سے جراحی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔
۲۹- سمندر کی گہرائیوں میں تار بچھتا ہے
۳۰- حبشی غلاموں کی آزادی کا اعلان ہوتا ہے۔
۳۱- لنکن قاتل کی گولی کا نشانہ بنتا ہے۔
۳۲- گریہم بیل ٹیلیفون تیار کرتا ہے۔
۳۳- تصویریں حرکت کرنے لگتی ہیں۔
۳۴- گھوڑے کے بغیر گاڑی چلتی ہے۔
۳۵- نئی شعاع کا سُراغ ملتا ہے۔
۳۶- ریڈیم دریافت ہوتا ہے۔
۳۷- مارکونی بے تار پیغامات بھیجتا ہے۔
۳۸- پہلا ہوائی جہاز اڑتا ہے۔
۳۹- پیری قطب شمالی پہنچتا ہے۔
۴۰- نہر پانامہ کا افتتاح ہوتا ہے۔
۴۱- جنگ کی پہلی چنگاری چھُوٹتی ہے۔
۴۲- رُوس میں انقلاب برپا ہوتا ہے۔
۴۳- اتحادی صلح نامہ تیار کرتے ہیں۔
۴۴- مسولینی ڈکٹیٹر بنتا ہے۔
۴۵- پنسلین ایجاد ہوتی ہے۔
۴۶- ہٹلر پولینڈ پر حملہ بولتا ہے۔
۴۷- جاپان پرل ہاربر پر بم برساتا ہے۔
۴۸- جرمنی ہتھیار ڈال دیتا ہے۔
۴۹- اقوام متحدہ کا منشور تیار ہوتا ہے۔
۵۰- ہیروشیما پر ایٹم بم گرتا ہے۔
۵۱- پاک و ہند سے یورپ کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔
۵۲- حق باطل پر غالب آتا ہے۔
۵۳- اسلام فتح مبین حاصل کرتا ہے۔
۵۴- مکہ فتح ہوتا ہے۔
۵۵- دُنیا کو امن و سلامتی کا آخری پیغام ملتا ہے۔
۵۶- عدل کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔
۵۷- ساسانی شاہنشاہی دُنیا سے مٹتی ہے۔
۵۸- بیت المقدس خلافت کی پناہ میں آتا ہے۔
۵۹- قیصر شام سے رخصت ہوتا ہے۔
۶۰- سندھ میں اسلام کا پہلا قدم پہنچتا ہے
۶۱- بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے
۶۲- ہسپانیہ کی تقدیر کا فیصلہ ہو[illegible]
۶۳- بے وطن شہزادہ سلطنت کرتا ہے۔
۶۴- ایک مظلوم خاتون کی فریاد سُنی جاتی ہے
۶۵- جلاوطن مالکِ ملک بنتے ہیں۔
۶۶- پرانے علوم نئے سرے سے زندہ ہوتے ہیں۔
۶۷- عرب ایٹم بم تیار کرتے ہیں۔
۶۸- بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہراتا ہے
۶۹- جوانمردوں کا جھنڈا اپنی حفاظت خود کرتا ہے۔
۷۰- جو کچھ ہونے والا ہے، سامنے آ جائے گا۔
۷۱- دُنیا کی عظیم یونیورسٹی بنتی ہے۔
۷۲- قلب ہند میں اسلامی تخت بچھتا ہے
۷۳- اٹھارہ آدمی ملک فتح کرتے ہیں۔
۷۴- تاتاری سیل کا رُخ پلٹتا ہے۔
۷۵- راشن کا بہترین نظام جاری ہوتا ہے۔
۷۶- مغرب مشرق سے شکست کھاتا ہے۔
۷۷- ہندو دھرم اسلامی اثر قبو[illegible] ہے۔
۷۸- ہند میں مغلیہ سلطنت قائم ہوتی [illegible]
۷۹- رفاہِ عامہ کا سکہ چلتا ہے۔
۸۰- جہاز خشکی پر چلتے ہیں۔
۸۱- ترکی ایک عظیم الشان بیڑا تیار [illegible] ہے۔
۸۲- دُنیا کا یگانہ مقبرہ بنتا ہے۔
۸۳- چیچک کا علاج دریافت [illegible]
۸۴- ہے کبھی جاں اور کبھی [illegible]
۸۵- کشمیر گلاب سنگھ کے ہا[illegible]
۸۶- نہر سویز تیار ہوتی ہے۔
۸۷- دولتِ سعودیہ کی بنیاد پڑتی [illegible]
۸۸- ڈائنامیٹ سے اہلِ علم ف[illegible] اٹھاتے ہیں۔
۸۹- جنگی مجرموں پر مقدمہ چلتا ہے
۹۰- جنوبی ایشیا [illegible] ہوتی ہیں۔
۹۱- سوڈان کو خود [illegible]
۹۲- جادُو کی آنکھ [illegible]
۹۳- ایشیا اور افریقہ سنگ[illegible]
۹۴- انسان ستاروں کا رُ[illegible]
۹۵- پاکستان کا نصب العی[illegible]
۹۶- انسان کوہِ ایورسٹ [illegible] پہنچتا ہے۔
۹۷- ہندوستان آزاد ہوتا [illegible]
۹۸- سب سے بڑا اسلامی م[illegible] میں آتا ہے۔
۹۹- انڈونیشیا خود مختار ہوتا [illegible]
۱۰۰- دُنیا کو ساتواں بڑا اعظم مل[illegible]

فیروز سنز
فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ راولپنڈی۔ ک[illegible]